آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ | بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۰ع | نمبر ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ فروری سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلباء سے عہ

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۹
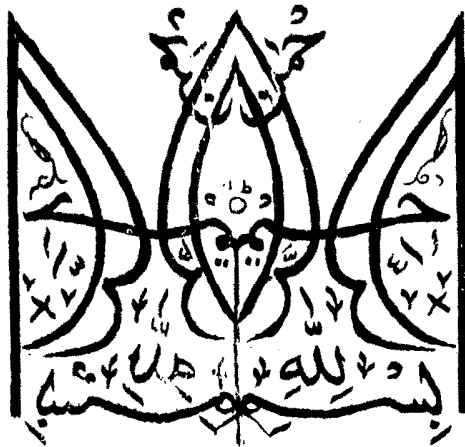
فتح مکّہ

حملہ آور قبائل کی گوشمالی اگرچہ حدیبیہ میں قریش نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرلیا تھا تاہم ابھی ایسے قبائل موجود تھے جو ابھی تک مسلمانوں کو دکھ دینے سے باز نہیں آئے تھے۔ انکی گوشمالی کیلئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے واپس آکر چند ایک مہمیں بھیجیں۔ یہ مہمات کچھ ایسی بڑی نہیں کہ انکا مفصل بیان کیا جاوے۔ انہیں سے ایک مہم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور دوسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی سے روانہ کی گئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تیس آدمی دیکر ایک بدوی قبیلہ کو منتشر کرنیکے لیئے بھیجا گیا تھا اور جب وہ واپس آرہے تھے تو راستہ میں آپکے راستہ بتانے والے نے عرض کی کہ قبیلہ خثعم کی ایک جماعت اس نواح میں چارہ کی تلاش میں نکلکر پھر رہی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو انپر حملہ کرسکتے ہیں لیکن فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انپر حملہ کرنیکا حکم نہیں دیا ہے"۔ اس واقعہ کے ذکر سے ہمیں یہ دکھلانا مطلوب ہے کہ مسلمانوں کی یہ جماعتیں ملک میں محض لوٹ مار کرنیکے لیئے نہیں جاتی تھیں بلکہ وہ صرف انہی لوگوں پر حملہ کرتے

تھے جنہوں نے انکو ایذا پہنچائی تھی اور انپر بھی اسوقت حملہ کرتے جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سے ارشاد ہوتا تھا۔ ایک مہم کا ذکر ہے کہ اس میں اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہا نے نہیک بن مرداس نام ایک دشمن کا تعاقب کیا اور جب اُنپر تلوار سے وار کرنے لگے تو وہ چلا اُٹھا "لا الٰہ الا اللہ"۔ نہیک کے اس اقرار ایمان کی اُسامہ نے کچھ پروانہ کی اور اسکو قتل کر دیا۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسامہ کے اس فعل کی اطلاع ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ پہنچا اور آپنے پوچھا اقتلتہ بعد ما قال لا الٰہ الا اللہ "کیا تم نے اسکو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرنیکے بعد قتل کیا؟" اُسامہ نے عرض کی کہ "اُس نے محض جان بچانے کے لیئے یہ اقرار کیا تھا"۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا فھلا شققت عن قلبہ "کیا تم نے اُس کا سینہ کھولکر دیکھ لیا تھا کہ آیا وہ سچ کہتا ہے یا جھوٹ؟"۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائیاں عربوں کو اسلام لانے پر مجبور کرنیکے لیئے نہ تھیں اگر ان جنگوں سے مسلمانوں کی یہ غرض ہوتی کہ لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کریں تو اُسامہ اس شخص کو قتل نہ کرتا جس نے لا الٰہ الا اللہ کا باآواز بلند اقرار کیا تھا۔ اُسامہ نے نہیک کو اسوجہ سے قتل کر دیا کہ اول الذکر کے خیال میں اُسکا یہ اقرار خلوص دل سے نہ تھا بلکہ یونہی جان بچانیکا بہانہ تھا۔ پس اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک جس ایمان سے نفاق کی بُو آئے وہ کفر سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگوں کو جبراً مسلمان کرنیکی کوئی ہدایت نہ تھی۔ یا یوں کہیئے کہ مسلمان اس ایمان کو جو خوف کا نتیجہ ہو بے ایمانی سے بدتر سمجھتے تھے۔ پھر ایسے لوگوں کی نسبت یہ گمان کرنا کہ اُن کی لڑائیاں اسلام کو جبراً پھیلانے کیلیئے تھیں محض تعصب اور بے وجہ عناد نہیں تو اور کیا ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سنہ ہجری یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف تین سال قبل کا ہے اور اسکے مطالعہ کے بعد اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اسوقت تک برابر مسلمان ایسے ایمان کو جو خوف کا نتیجہ ہو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اُنکا اطمینان صرف ایسے لوگوں پر ہوتا تھا جو برضا و رغبت اور صدق دل سے اسلام لاتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ کو اسوجہ سے ملامت کی تھی کہ اُسکے پاس کوئی دلیل نہ تھی جس سے نہیک کا دل ہی مسلمان نہ ہونا

ثابت ہوتا۔

جب ایک شبہ امر تھا اور علاوہ ازیں بعض ایسے اشخاص بھی تھے جو دل سے تو اسلام کی حقانیت کے قائل تھے لیکن ظاہراً ابھی چھپے ہوئے تھے اور یہ ممکن تھا کہ ٹھیک بھی ایسی لوگوں میں سے ہو اور اُسامہ نے جلد بازی سے ایک مسلمان کو قتل کیا ہو۔ اگرچہ اُس نے ایمان کا اقرار ایسے وقت کیا جبکہ وہ موت کے چنگل میں آچکا تھا تاہم یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے سے دل میں مسلمان ہو اور اپنی قوم کے دباؤ سے اُنکی طرف سے لڑائی میں حصہ لیا ہو۔ الغرض مسلمانوں کی آنکھ میں خوف کا ایمان اور بے ایمانی برابر تھے انہوں نے اکثر ایسے لوگوں پر بھروسہ نہیں کیا جنہوں نے مغلوب ہونے پر ایمان کا اظہار کیا ہو چنانچہ اُسامہ کے علاوہ ایک اور صحابی محلم بن جثامہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے ایک عرب عامر بن الاضبط کو قتل کردیا حالانکہ اُس نے اول الذکر کو السلام علیکم کہا تھا اور یہ اسکے مسلمان ہونیکا نشان تھا جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی خبر سُنی تو آپ بہت خفا ہوئے بنو عامر کو ایک سو اونٹ خونبہا میں دیئے اور محلم کو اُسکی جلد بازی اور بدظنی پر ملامت کی۔ قرآن کریم اس واقعہ کی نسبت یُوں فرماتا ہے یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ (نساء-۱۳۰) یعنی اے ایمان لانیوالو! جب تم خدا کی راہ میں (زمین میں) پھرو تو تحقیق کرو اور جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اُسکو یہ نہ کہو کہ تُو مسلمان نہیں ہے۔

ہمیں اب اس امر کے اعادہ کی ضرورت نہیں کہ مسلمان ایک خالصۃً للّٰہ اور ریا اور ہر ایک ملونی سے پاک ایمان چاہتے تھے اور خوف کے ایمان کو بے ایمانی سمجھتے تھے اور ایسے لوگوں کو جو تلوار سے ڈر کر اسلام کا اظہار کریں اُنکو دشمن سمجھکر قتل کرنا بھی جائز سمجھتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنکی نظر وسیع تھی اور جو رحمۃ للعالمین تھے اپنی رحیم و کریم طبیعت کے باعث یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہر ایک شخص کی نسبت جو ظاہراً ایمان لائے یہی فیصلہ کیا جاوے کہ اُسکا ایمان صرف منافقانہ ہے اور یہی خدائے تعالیٰ کا منشا تھا۔ غرض اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں سے اسلیئے نہیں لڑتے تھے کہ وہ اُنکو جبراً

اسلام منوائیں کیونکہ وہ ایسے ایمان کو جو جبر کا نتیجہ ہو ایمان نہیں سمجھتے تھے اور ایسے شخص کو جو خوف کی وجہ سے ایمان ظاہر کرے اُسے مسلمان نہیں سمجھتے تھے پھر ایسے لوگوں کی نسبت کسطرح کہا جاسکتا ہے کہ وہ لوگوں کو تلوار کا خوف دکھا کر جبرًا اور اکراہًا مسلمانوں میں داخل کرتے تھے۔

اس زمانہ کی مہمات میں سے ہم یہاں پر ایک اور عجیب اور دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ انصارِ مدینہ میں سے ایک شخص کے ماتحت مسلمانوں کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ "اپنے سردار کی فرمانبرداری کریں"۔ اس سردار نے ایک موقعہ پر طیش میں آکر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کریں اور انکو آگ لگا دیں اسکے اس حکم کی فورًا تعمیل کی گئی اور جب لکڑیوں کا تمام ڈھیر شعلہ زن ہوگیا تو اُس نے کہا "کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمکو میری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟" اُن سب نے اثبات میں جواب دیا۔ تب اُس سردار نے دوبارہ کہا "تب میں تمکو اس جلتی آگ میں کودنے کا حکم دیتا ہوں" اس حکم کی تعمیل سے اسکے سب ساتھیوں نے یکزبان ہوکر انکار کردیا اور کہا "بے شک حضرت نبی کریم نے ہمکو تمھارے حکم کی تعمیل کا ارشاد فرمایا تھا لیکن (یاد رہے) کہ ہمنے آگ سے ہی بچنے کی خاطر آنحضرت صلعم کا دامن پکڑا تھا اس لیئے اب ہم اس آگ میں نہیں کودسکتے (انما فررنا الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من النار) جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپنے فرمایا "الطاعة فی المعروف" یعنی انہی باتوں میں تمپر میری اطاعت واجب ہے جو راست اور جائز ہوں"

ہم نے یہ روایت اس بات کے واضح کرنیکی خاطر یہاں لکھی ہے کہ عرب کے لوگوں نے دوزخ کی آگ سے ڈر کر اسلام قبول کیا تھا نہ کہ کسی تلوار کے خوف سے جیسا کہ ہمارے یسوعی معترض خیال کرتے ہیں یا یُوں کہو کہ وہ اپنے جسم کو بچانیکی خاطر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام لانیسے انکو ابدی نجات مقصود تھی۔ پیارے ناظرین! اس مختصر جماعت کے آدمیوں نے جو جواب اپنے سردار کو دیا وہ اس قابل ہے کہ آپ اسپر توجہ کریں کیونکہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی کیوں اختیار کی تھی لیکن

اگرچہ مسلمانوں کے امن پسند ارادوں کا کتنا ہی ثبوت ملے تاہم یسوعی مشنری کی آنکھ میں وہ جلاد اور لٹیروں سے بہتر نہیں ہو سکتے۔ آہ کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ جو لوگ نار دوزخ سے ڈر کر اسلام کے دامن میں پناہ گزین ہوئے تھے اب دیکھنگا مشتی سے اُنہی کو ایک اور آگ یعنی نار حرب کے بھڑکانے کا الزام دیا جاتا ہے۔ پیارے ناظرین! آپ ہی غور کریں کہ جن لوگوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سنا تھا اور جو اپنی روحوں کو بچانے کی غرض سے آپ کی رسالت پر ایمان لائے تھے بھلا اُنسے یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ وہ بیدردانہ اور وحشیانہ احکام سنتے اور پھر بھی آپ کے مطیع اور فرمانبردار رہتے۔ اُنھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ایسے عباد الرحمٰن بننے کے لیئے پکڑا تھا جنکی تعریف خدائے تعالیٰ نے قرآن کریم کی مفصلہ ذیل آیات میں فرمائی ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَاۤءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ الآیۃ (فرقان - ۶)

یعنی رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں (اور جب جاہل لوگ (انکو چھیڑنے کے لیئے) اُنسے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں (اور اُنسے اعراض کرتے ہیں) اور وہ اپنی راتیں اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں گذار دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہنم کا عذاب ہم سے ہٹا دے تحقیق اُس کا عذاب لازم ہو جانیوالا ہے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بُری جگہ ہے۔ اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو وہ بیجا طور پر خرچ نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ اس کے درمیان ایک معتدل راہ اختیار کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی جان کو جسے خدائے تعالیٰ نے حرام کیا ہے ناحق قتل کرتے ہیں۔" یہ اوصاف ہیں جو خدائے تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کے لیئے

بیان فرمائے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شب و روز اسی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح اُس درجہ تک پہنچ جائیں جو خدائے تعالیٰ نے عباد الرحمن کے لیئے مقرر کیا ہے۔ جب قرآن کی وہ تعلیم ہو اور صحابہ کرامؓ کی یہ کوشش ہو تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ مسلمان قرآن کریم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کرتے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ اُنکو کوئی ایسا حکم دیتے جو آیات مذکورہ کے خلاف ہوتا مذکورہ بالا آیات میں جو ہدایات دی گئی ہیں انہیں ایک یہ بھی ہے وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ یعنی عباد الرحمن وہ ہیں جو کسی نفس کو قتل نہیں کرتے سوائے اُسکے جو مستوجب قتل ہو۔ اب اس آیت نے صاف منع کر دیا ہے کہ کسی ایسے شخص کی جان نہ لیجائے جو قتل کا مستحق نہ ہو۔ اب رہی یہ بات کہ قتل کے مستحق کون لوگ ہیں ایک اور آیت میں اسکی بھی تشریح فرما دی گئی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (مایٔدہ۔ ۵) یعنی جو شخص کسی نفس کو بغیر کسی اور نفس کے بدلے یا زمین میں فساد کرنے کے قتل کرتا ہے تو وہ گویا تمام انسانوں کو قتل کرتا ہے۔ اب اس آیت کے مطابق صرف وہی لوگ گردن مارے جانے کے مستحق ہیں جو کسی شخص کو قتل کرتے ہیں یا ملک میں فساد اور بغاوت پھیلاتے ہیں۔

منصف ناظرین! خدا کیلیئے اب آپ ہی سوچکر دیکھیں کہ وہ شخص کہاں تک حق بجانب ہو سکتا ہے جو ایسے صریح احکام کی موجودگی میں یہ خیال کرتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو لوٹ مار کرنے اور جو ملے اُسے قتل کر دینے کا حکم دیا تھا؟ اگر بالفرض کوئی شخص اُنکو ایسا حکم بھی دیتا تو وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف اس غرض سے ایمان لائے تھے کہ متقیوں کے امام بنیں اور جنکو الطاعۃ فی المعروف کا ارشاد تھا اُنسے یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ ایسے احکام کی تعمیل کرتے (مذکورہ بالا واقعات کے لیئے ملاحظہ ہو زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۴۰۶ سے لیکر ۴۱۰ تک)

قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کی کئی جماعتوں کو دغاباز اعرابیوں نے نہایت بیرحمی سے قتل کر دیا تھا۔ جس سال کا ہم اب ذکر کر رہے ہیں اُسمیں بھی بعینہٖ اسی

قسم کا ایک واقعہ پیش آیا یعنی تیس مسلمانوں کی ایک جماعت پر فدک کے راستہ میں دشمن نے حملہ کیا انہیں سے صرف اس جماعت کا سردار بچا........ باقی سب قتل کیئے گئے (ملاحظہ ہو لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ میور صفحہ ۳۷۳)۔ ہاں اب یہ بات ضرور تھی کہ چونکہ مسلمانوں کے ساتھ نصرت الٰہی شامل تھی اسلیئے دشمنوں پر ایک الٰہی رُعب قائم ہوگیا اور جن مسلمانوں کو پہلے معمولی شکار سمجھا جاتا تھا اب انسے ہیبت معلوم ہوتی تھی۔ اسکی تشریح اور وضاحت کے لیئے ہم الحرث بن عوف کی بیان کردہ روایت ذیل میں دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حسیل بن نویرہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ خبر لیکر آیا کہ عیینہ جو محاصرہ مدینہ کے وقت بدوؤں کا سرغنہ تھا اب پھر بعض دوسرے صحرائی قبائل کے ساتھ ملکر مدینہ یا اُس کے مضافات پر حملہ کرنیکی تیاریاں کر رہا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ و عمرؓ سے مشورہ کیا اور تین سو آدمیوں کا ایک دستہ بشیر بن سعد کے ماتحت اس طرف روانہ فرمادیا۔ اس فوج نے صبح ہوتے ہی اُنپر دھاوا بول دیا اور جب دشمن کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ ہر طرف جہاں کسی کے سینگ سمائے بھاگ نکلے۔ اُنکا سردار عیینہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ اور مسلمان مظفر و منصور دو قیدی لیکر واپس آئے۔ جب عیینہ سراسیمہ و پریشان پوری تیزی سے بھاگا جارہا تھا تو راستہ میں اُسے الحرث بن عوف ملا۔ مؤخر الذکر نے اُسکو ٹھہرنے کیلیئے کہا لیکن عیینہ نے پھولی ہوئی آواز سے جواب دیا "مَیں نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ میرے تعاقب کنندہ پیچھے آرہے ہیں"۔ الحرث نے کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو اب ہر جگہ مخالفت کا سر نیچا کر دیا ہے تم کب تک اُنکا مقابلہ کرتے رہو گے"؟ بھلا اس سوال کا جواب دینے کی کسکو فرصت تھی عیینہ ابتک دور نکل چکا تھا۔ الحرث بیان کرتا ہے کہ مَیں وہاں دوپہر سے مغرب کے وقت تک ٹھہرا رہا لیکن مجھے کوئی تعاقب کنندہ نظر نہ آیا (زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۴۰۸) دراصل مسلمانوں کا خوف تھا جو اس بھگوڑے سردار کا تعاقب کر رہا تھا۔ عیینہ صبح سے دوپہر تک گھوڑا مارتا اور دم توڑتا چلا آیا تھا لیکن ابھی تک وہ برابر صحرائے عرب کی جلتی ہوئی ریت پر دوپہر کے جُھلسنے والے سورج کی تیز دھوپ میں بھاگا چلا جارہا تھا۔ اللہ۔ اللہ۔ جن مسلمانوں کو عربوں نے مکّہ سے نکالا حبش کو بھگایا اور جنکو ہر طرح کی ایذا دینے سے درگذر نہ کی۔ اب ان کے رُعب کا

یہ عالم کہ عیینہ جیسا بہادر سردار محض وہمی تعاقب سے ڈرتا ہوا بھاگا جارہا ہے۔ الغرض اب اعراب مسلمانوں کو آسان شکار نہیں سمجھتے تھے۔ اور مسلمانوں کا جو رعب اُنکے دشمنوں کے دلوں پر بیٹھ گیا تھا وہ جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں الٰہی نصرت کا نتیجہ تھا اور آخر کار اسی نصرت الٰہی نے اُنکے تند خو دشمنوں کی آتشِ غضب کو ٹھنڈا کر دیا اور ان ایذادہندوں کے خونخوار ہاتھوں سے اُنکو بچا لیا۔

ناظرین! ان چھوٹی چھوٹی مہمات میں بھی خدائے تعالیٰ کی عجیب وغریب قدرتوں کے تماشے اور نشانات ظاہر ہوتے تھے چنانچہ روایت ہے کہ جندب ابن مکیث الجھنی ایک ایسے دستہ کے ہمراہ تھے جسکو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام کدید پر بنی الملوح نام قبیلہ کی سرکوبی کے لیئے روانہ فرمایا تھا۔ غروب آفتاب سے تھوڑی دیر قبل صاحب موصوف قبیلہ مذکور کی جھونپڑیوں سے تھوڑے فاصلہ پر ایک ٹیلہ پر کھڑے تھے جبکہ دشمنوں میں سے کسی نے اُنکو دیکھا اور فوراً ایکے بعد دیگرے دو تیر چلا دیئے۔ اُنھوں نے تیر تو نکال کر پھینک دیئے لیکن اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ یہ دیکھکر اُس عرب نے سمجھا کہ ٹیلہ پر کوئی بے جان چیز ہے انسان نہیں اسلیئے اُس نے اور کوئی تیر نہ چلایا۔ جب صبح ہوئی تو کثیر التعداد دشمنوں نے مسلمانوں کا تعاقب کیا لیکن جسطرح سمندر کی ایک لہر نے بیچ میں پڑ کر بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے ہاتھ سے چھڑا لیا تھا اُسی طرح یہاں بھی ہوا یعنی جب تعاقب کنندہ کفار اور مثیل موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی اس مختصر جماعت کے درمیان صرف ایک ہی وادی کا فاصلہ رہ گیا تو یکبیک پانی کی ایک پُرزور رَو آگئی اور تعاقب کنندگان اپنا شکار ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھکر ششدر و حیران کھڑے کے کھڑے رہ گئے جبکہ اُنکی آنکھوں کے سامنے مسلمان صحیح وسالم بچکر نکل گئے۔

(زاد المعاد صفحہ ۴۰۸ جلد اوّل)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جماعت جسمیں تین سَو جانباز مجاہد تھے ساحل سمندر کی طرف بھیجی تھی لیکن وہاں جاکر اُنکی رسد ختم ہوگئی اور وہ بھوک کے مارے اسقدر تنگ ہوئے کہ درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے لگے۔ اب خدائے تعالیٰ کی نصرت جوش میں آئی اور جسطرح موسیٰ کی اُمت کو جنگل میں مَن وسلویٰ عنایت کیا تھا اسی طرح مثیل موسیٰ کے صحابہؓ کو اسوقت غیب سے رزق بھیجدیا یعنی خدائے تعالیٰ کے حکم سے سمندر کی لہروں نے کنارے پر

ایک اتنی بڑی مچھلی ڈالدی جسپر اس جماعت نے پندرہ روز تک گذارہ کیا بلکہ واپس آتے ہوئے کچھ حصہ بچاکر مدینہ میں لائے جسمیں سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ حصہ لیا۔ یہ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ لمبے سے لمبا آدمی اونچے سے اونچے اونٹ پر سوار ہوکر اسکی پسلیوں کے نیچے سے گذر سکتا تھا۔ (ابن ہشام اور لائیف آف محمد (صلعم) صفحہ ۳۸۵)

الغرض یہ چھوٹی چھوٹی مہمیں عربوں کے ہاتھ سے تنگ آکر انکی نقل و حرکت کے دیکھنے اور وقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کے لیئے اور نیز ظالم حملہ آوروں کی سرکوبی کے لیئے بھیجی گئی تھیں اور انہیں بھی خدائے تعالیٰ کے زبردست ہاتھ نے ایسے ایسے واقعات دکھائے جو مسلمانوں کے ایمان کی زیادتی کا موجب ہوئے اور ابتک ہو رہے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ لٹیروں اور غارتگروں کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا یہ تعلق ہوتا ہے؟

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرتے ہیں۔

اب ذی القعدہ کا مہینہ آگیا تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و قریش کے درمیان جو صلح کا معاہدہ حدیبیہ پر ہوا تھا اُسے ایک سال ہوچکا تھا۔ شرائط صلح کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تھا کہ اب کی مرتبہ زیارت کعبہ سے مشرف ہوں اسلیئے آپ دو ہزار صحابہؓ کو ساتھ لیکر عمرہ کرنیکے لیئے روانہ ہوئے۔ اور سوائے ایک ایک تلوار کے جو ہر ایک کے نیام میں رہنی تھی اور جسکے رکھنے کی حاجیوں کو اجازت بھی تھی اور کوئی ہتھیار کسی نے بھی نہیں باندھا تھا ہاں یہ احتیاط ضروری تھی کہ دغا و فریب سے بچنے کے لیئے آلات حرب کا کافی سامان علیحدہ ساتھ رکھ لیا تھا۔ مسلمان شہر مکہ کے قریب ۴ فاصلہ پر ایک گھاٹی میں رکھدیا گیا اور دو سو جوان اُسکی حفاظت کے لیئے پیچھے چھوڑ دیئے قریش نے یکدم شہر کو خالی کر دیا اور نزدیک کی پہاڑیوں پر چڑھکر ان دیس بدر آدمیوں کو دیکھنے لگے جو سات سال قبل اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھ سے تنگ آکر اپنے وطن مالوف کو بصد حسرت و رنج خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے تھے۔ جب وہ مبارک مقام نظر آنے لگا تو مسلمانوں نے لبیک لبیک کا نعرہ بلند کیا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے تمام مسلمانوں نے اپنے کندھے برہنہ کرکے تیز تیز قدم اٹھاکر طواف شروع کردیا۔ کندھوں کے

۔لیکر عمرہ کے مراسم ادا کیئے اور آپ

برہنہ کرانے اور تیز دوڑانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد تھا کہ دشمنوں پر مسلمانوں کی طاقت کا اظہار ہو جائے اور جب انپر یہ واضح ہو جائیگا کہ مسلمانوں میں طاقتور اور بہادر جوان موجود ہیں تو وہ آئندہ لڑائی فساد کا خیال کرنیسے باز آجائیں گے۔ اور ملک میں مستقل طور پر امن وامان ہو جائیگا۔

ناظرین! آپ ہی دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امن کیسا عزیز تھا اگر آپ نے طاقت کا اظہار کیا تو بھی اسی نیت سے کہ کسی طرح دشمن جنگ و تعدی سے باز آجائیں۔ علاوہ ازیں جب عبد اللہ بن رواحہ نے بعض جوش پیدا کرنیوالے الفاظ بولنے شروع کر دیئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکو روکدیا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا اے رواحہ کے بیٹے نرمی اختیار کرو اور ایسے الفاظ زبان پر لانے کے بجائے اسطرح کہو۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ نصر عبدہٗ واعز جندہٗ و ھزم الاحزاب وحدہٗ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ اسی خدا کا کام ہے کہ اُسنے اپنے رسول کی نصرت کی اور اپنے لشکر کو غلبہ دیا اُسی مولانے مخالفین کی متفقہ فوجوں کو تنہا بھگا دیا" (زرقانی شرح مواہب صفحہ ۸۰ جلد ثانی۔ و لائیف آف محمد صلعم مصنفہ میور صفحہ ۳۷۴)

عبد اللہ نے انہی الفاظ کو بلند آواز سے پکارا اور باقی تمام لوگوں نے پورے زور کے ساتھ اُسکی تقلید کی یہانتک کہ قرب وجوار کی پہاڑیاں بھی گونج اُٹھیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب بیان میور صفحہ ۳۷۴ عبد اللہ کو بھڑکانیوالے الفاظ بولنے سے محض اسلیئے روکا کہ کہیں قریش دوبارہ جنگ وجدل نہ شروع کر دیں اور اس طرح آپکے امن پسند ارادوں کی تکمیل میں پھر ایک رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے۔

دوسرے روز صبح کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور وہاں پر برابر ظہر کے وقت تک اپنے مولا کے حضور دعائیں کرتے رہے۔ جب نماز کا وقت آگیا تو بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور اذان دیدی۔ اذان سُنکر تمام صحابہؓ ادھر اُدھر سے بیت اللہ شریف کی دیوار کے نیچے جمع ہو گئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جماعت کرائی جبکہ مکہ والے سخت حیرت اور تعجب سے اس نظارے کا مشاہدہ

کر رہے تھے۔

میور کہتا ہے کہ "یہ ایک نہایت ہی عجیب منظر تھا جو مکہ کی وادی میں اسوقت ظہور پذیر ہوا یہ ایسا نظارہ تھا جسکی نسبت ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ میں اپنی نظیر آپ تھا۔ اہالیان مکہ نے اپنے قدیم شہر کو تین روز کے لیئے بالکل خالی کر دیا ہے اور جونہی وہ شہر سے باہر نکلتے ہیں اسی وقت دیس بدر لوگ جو کئی سال ہوئے اپنی زادبوم سے نکالدیئے گئے تھے اپنے مددگاروں کو ساتھ لیکر مکہ کی وادی میں داخل ہوتے ہیں۔ اپنے بچپن کے گھروں پر ایک بار پھر نظر ڈالتے ہیں اور تھوڑے سے مقررہ وقت کے اندر اندر عمرہ کی رسومات ادا کرتے ہیں۔ مکہ کے باشندے اپنے بال بچوں سمیت قرب وجوار کی بلندیوں پر چڑھکر پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے درمیان خیموں یا چٹانوں کے سایہ میں پناہ لیتی ہیں۔ اور پہاڑ کی اونچی چوٹی پر چڑھکر نو واردوں کی حرکات وسکنات پر ایک متحیر نظر ڈالتے ہیں اور جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوکر نماز اور مراسم عمرہ ادا کرلیتے ہیں تو وہ ہر ایک شخص کو بڑے غور سے دیکھتے جاتے ہیں اور ان مسافروں کی جماعتوں میں کسی دیر کے بچھڑے ہوئے عزیز یا دوست کی تلاش کر رہے ہیں۔ یہ نظارہ بھی انہی دکھوں اور دردوں کا نتیجہ تھا جو پیدائش اسلام کا موجب ہوئے۔"

حضرت نبی کریم رشتہ داری کے تعلقات قائم کرکے اتحاد پیدا کرتے ہیں

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (فداہ ابی وامی) بنی مصطلق کی طاقتور قوم کے سردار کی بیوہ لڑکی جویریہ سے عقد کر کے اس قبیلہ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق پیدا کر لیا تھا اور جب صحابہ کرامؓ کو اس رشتہ کی اطلاع ہوئی تھی تو انہوں نے یہ کہکر کہ اب بنی مصطلق ہمارے اقارب ہوگئے ہیں فوراً تمام قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ اسی رشتہ کے متعلق حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ "جس برکت کا موجب جویریہ اپنی قوم کے لیئے ہوئی ہے اس سے بڑھکر کبھی کوئی اور عورت نہیں ہوئی۔" ایسا ہی لکھا ہے کہ جب آپ نے اپنے ایک امیر الجیش عبدالرحمن کو دومۃ الجندل کی مہم پر بھیجا تو انکو بھی ہدایت فرمادی کہ وہاں کے عیسائی سردار کی بیٹی سے شادی کر لیں

یہ واقعات تو ایسے وقت کے ہیں جب آتش جنگ پورے زور سے بھڑک رہی تھی لیکن اب زمانہ ایک حد تک بدل چکا تھا۔ صلح حدیبیہ سے یہ آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان شرائط صلح طے ہو چکی تھیں اسلیئے اب قرابتوں اور رشتوں کے ذریعہ اتحاد و امن قائم کرنیکا نہایت ہی موزون و مناسب موقعہ تھا۔

ہمارے ناظرین کو بخوبی معلوم ہے کہ مسلمانوں کے مقابل میں اب قریش کا سرغنہ ابو سفیان تھا کیونکہ ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ جیسے خونی دشمن خدائے تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق ناکامی کے ساتھ ہلاک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر مُہر لگا چکے تھے۔ مسلمانوں کا جو گروہ حبش کو ہجرت کر گیا تھا اُس میں ابو سفیان کی بیٹی بھی تھی جسکا نام ام حبیبہ تھا جو اب بیوہ ہو گئی تھی۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ نجاشی شاہ حبش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خط لکھے تھے۔ دوسرے خط میں شاہ موصوف کو جو اب مسلمان ہو چکا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ارشاد تھا کہ باقی ماندہ مہاجرین کو مدینہ پہنچا دے اور ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد باندھ دے۔ مکّہ کے سردار کی بیٹی سے یہ نکاح ایسے وقت کیا گیا تھا جبکہ عارضی طور پر لڑائی وغیرہ بند تھی اور اس سے یہ غرض مدّنظر تھی کہ ابوسفیان کو راضی کر لیا جائے اور اسطرح اس عارضی صلح کو دائمی امن کے ساتھ بدل دیا جائے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے موقعہ پر حضرت میمونہ رضؓ سے شادی کر لی جو مکّہ کی ایک بیوہ تھی اور خالد جیسے بہادر اور جانباز قریش اسکے عزیز اقربا میں سے تھے۔ مکّہ کے اقارب کے علاوہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی رشتہ داری دوسری عرب اقوام سے بھی تھی اور اسطرح اس شادی سے بھی بہت سے دشمن دوست ہو گئے۔

دشمنوں کے مسخر کرنیکے اس طریق پر ہندوستان کے ایک بیدار مغز اور عقلمند بادشاہ نے بھی عمل کیا تھا۔ متکبر راجپوت جنکو مسلمان حملہ آوروں نے سلطنت سے محروم کیا تھا اور جو طبعاً اسلامی سلطنت کے دشمن تھے اکبر کی اس دُور اندیشی اور

حکیمانہ طریق و عقلمندانہ روشش کے باعث اُسکے جانثار دوست بنگئے تھے۔ اور جنکو وہ پہلے دشمن خیال کرتے تھے اب وہی اُنکے داماد اور بہنوئی تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رشتہ داری کے تعلق سے ایک اور بات بھی مقصود تھی یعنی ان بیویوں کے خویش و اقارب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آتے جاتے تھے اور اس طرح اُن کو آپسے ملاقات کرنے اور آپکے اخلاق و عادات و مذہب کا مطالعہ کرنیکا موقعہ ملجاتا تھا جسکا اکثر یہی نتیجہ ہوتا کہ وہ مسلمان ہوجاتے۔ اگر کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو اور سوچنے والا دل ہو تو اُسے یہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور سچّائی کی ایک اور شہادت ملتی ہے کیونکہ کسی کاذب کا یہ دل گردہ کہاں ہوسکتا ہے کہ دشمن کو گھر بلاکر اُسے اپنی ذات اور اپنے مذہب کی کمزوریوں کے دیکھنے کا موقعہ دے اور اپنی عادات اور اخلاق کو مخالف کی نکتہ چین آنکھ کے نیچے رکھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے محبت تھی | نبی کریم صلعم کا میمونہؓ کے ساتھ شادی کرنیسے صرف اُسکے عزیز و اقربا کو عداوت سے باز رکھنا ہی مقصود نہ تھا بلکہ آپ چاہتے تھے کہ کوئی موقعہ نکالکر قریش کے بڑے بڑے آدمیوں کی دعوت کریں اور اس طرح اُنکے ساتھ دوستانہ بات چیت کرکے انکو راضی کریں۔ جتنی دیر تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکّہ میں قیام رہا اُتنی دیر تک قریش انسے بالکل الگ تھلگ رہے صرف چند ایک آدمی آپسے ملے جن سے آپنے حسب عادت خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کی۔ جب تین دن مقررہ ختم ہوگئے تو چوتھے روز قریش کے دو سردار سہیل اور حویطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے اور کہا کہ "آپ اب تشریف لیجائیں"۔ اسکے جواب میں آنحضرتؐ نے بڑی نرمی اور اخلاق سے فرمایا "اس میں آپکا کیا حرج ہے اگر آپ مجھے کچھ اور دیر ٹھہرنے ولیمہ کرنے اور مہمانوں کو کھانا کھلانے کی اجازت دیں بلکہ اس دعوت میں آپ لوگ بھی شریک ہوں"۔ سرداران قریش سمجھ گئے کہ نبی کریمؐ انکے درمیان ٹھہر کر قریش کو اپنے حسن سلوک سے مسخر کرنا چاہتے ہیں اسلئے انہوں نے جواب دیا "ہمیں آپ کے کسی کھانے دانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی

مہلت کا مقررہ وقت گذر چکا ہے اسلیئے آپ اب ہمارے ہاں سے چلے جائیں" اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ وفائی کے لحاظ سے فوراً کوچ کا حکم دیدیا اور حضرت ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو اپنے غلام ابورافع کے سپرد کر کے سرف نام مقام کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ آپکے تشریف لانے کے بعد میمونہ اور ابورافع دونوں کو مکہ والوں نے بڑی تکلیف اور ایذا پہنچائی (زرقانی شرح مواہب صفحہ ۳۰۳-۳۱۵- میور صفحہ ۳۷۳-۳۷۸)

ناظرین! ایک طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی اور صلح کی کوشش پر نظر ڈالیں اور دوسری طرف قریش کی سنگدلی ملاحظہ ہو۔ اس میں کلام نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے مصالحت کرنیکے خواہشمند تھے لیکن اسوجہ سے نہیں کہ وہ اُنسے ڈرتے تھے بلکہ اسلیئے کہ آپکو اُنسے محبت تھی۔ اسوقت یہ خیال کرنا کہ قریش سے کسی قسم کا خوف تھا محض ناواقفی اور واقعات سے لاعلمی ہے کیونکہ اب اُنکی طاقت بالکل ٹوٹ چکی تھی جسے میور صاحب بھی تسلیم کر رہے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "مکہ میں جلسے نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ پتہ لگ گیا کہ اُس جگہ آپ کا کہانتک اثر ہے اور نیز یہ کہ قریش کی طاقت اور انکا جوش کہانتک کمزور ہو رہے ہیں-....
اب قریش میں کوئی مسلمہ قابل اور بااثر سردار نہیں تھا۔ اسلیئے ایک ہی دلیرانہ اور زبردست حملہ اُس جھگڑے کو ختم کرنیکے لیئے کافی تھا جو کئی سال سے مکہ کو زیروزبر کر رہا تھا" ایسے وقت جب قریش کی طاقت کا خاتمہ ہوچکا تھا اور جبکہ ایک ہی حملہ میں اُن کا کام تمام ہوسکتا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُنکو راضی کرنیکی کوشش کرنا صاف بتلاتا ہے کہ آپ کو مجبوراً تلوار نیام سے باہر کرنی پڑی تھی۔ ورنہ آپ ہمیشہ امن و مصالحت کے خواہاں تھے۔ اب ان واقعات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ جنگ وجدل کرنے میں سبقت کی تھی تو ہم ایسے شخص کو حوالہ خدا کرتے ہیں۔

پیارے ناظرین! ہم پوچھتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ ہمارے

دشمن کہتے ہیں۔ پہلے پہل جبکہ آپ کا جتھا کمزور تھا دشمنوں پر پیشدستی کی تھی تو اب جبکہ دشمن کمزور اور آپ طاقتور تھے کون امر اس بات سے مانع تھا کہ ایک ہی حملہ میں قریش کو تباہ و برباد کر دیتے؟ پھر اسکی کیا وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت جبکہ آپکے ارشاد پر ہزاروں جانباز بہادر جان قربان کرنیکو تیار تھے اور جبکہ قریش کی طاقت پورے طور پر ٹوٹ چکی تھی آپنے اُنکی کمزوری سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ انکو رضامند اور خوش کرنیکے لیئے ہر طرح کی کوشش فرمائی؟ بات اصل میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پہلے پیشدستی کی تھی نہ اب۔ غور کا مقام ہے کہ جب آپنے طاقتور ہو کر دشمن کی کمزوری سے فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ مصالحت کی کوشش کی تو یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ کمزور ہو کر زبردستوں پر سبقت کرتے؟۔ سچی بات یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے محبت تھی اور وہ کسی وقت اُنکی تباہی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ یہی چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح صلح و صفائی سے رہیں اور اپنے حقیقی خیر خواہ کو دُکھ دیکر مورد غضب الٰہی نہ بنیں اگر قریش مسلمانوں کو نابود کرنیکے لئے تلوار نیام سے نہ نکالتے تو آپ کبھی اُنسے نہ لڑتے اور واقعات تو یہ بتلاتے ہیں کہ کسی شخص کو کبھی اپنی قوم سے اسقدر الفت نہیں ہوئی جسقدر آنحضرت صلعم کو قریش سے تھی۔ جب آپ مکہ میں تھے تو قریش کو غلطی پر دیکھکر آپ کو بہت دُکھ پہنچتا تھا اور اُنکو راہ راست پر لانے اور ظلمت سے نکالنے کیلئے وعظ کرتے رہتے۔ آپکے اس فکر اور غم کی طرف قرآن کریم اسطرح ارشاد فرماتا ہے لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین (شعراء رکوع ۱) یعنی شاید تو اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے تئیں ہلاک کر دیگا۔

جب آپ کی قوم یعنی قریش نے آپکی وعظ و نصیحت پر توجہ نہ کی بلکہ اُلٹی مخالفت کی تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ انکا بھی وہی حشر ہو جو پہلے انبیاء کے مخالفوں کا ہوا ہے اسلیئے آپنے متواتر اُنکو آنیوالے عذاب سے ڈرایا اور بار بار توبہ کرنیکی طرف توجہ دلائی۔ یہ سب کچھ محض اسلیئے ہوا کہ آپ کو اپنی قوم سے دلی محبت تھی اور یہ خیال آپکو بار بار دُکھ دیتا تھا کہ مبادا قریش بھی پہلے لوگوں کی طرح ایک رسول کی مخالفت کرکے عذاب الٰہی کا شکار ہو جائیں۔ اب جبکہ قریش کی طاقت کا خاتمہ ہو چکا تھا آنحضرتؐ کی اس پرانی محبت نے جو کبھی سرد

نہیں ہوئی تھی پھر جوش مارا اور آپنے اُنکو رضامند کرنیکی کوشش فرمائی۔ اسمیں کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اسوقت چاہتے تو قریش کو کلیۃً ملیامیٹ کر دیتے۔

ناظرین! یہ وہی قریش تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو سخت سے سخت دُکھ دیئے تھے۔ جنہوں نے آپکی جان پر حملہ کیا تھا اور آپکے سر مبارک کی قیمت مقرر کی تھی۔ ہاں ہاں یہ وہی قریش تھے جنہوں نے مسلمانوں کے کچلنے کیلیئے بار بار مدینہ پر حملے کیئے تھے اور جنہوں نے آنحضرت صلعم کے پیارے اصحابؓ کی نعشوں کی بے حرمتی کی تھی اور شہید مسلمانوں کی لاشوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا تھا۔ اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے صحرائی قبائل کو اُکسا کر مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کی عزیز جانیں سخت خطرہ میں کر دی تھیں۔ ہم بڑے زور سے کہیں گے کہ یہ وہی کینہ توز لوگ تھے جنہوں نے مرد تو درکنار مسلمان عورتوں پر بھی دست ظلم و تعدی دراز کیا تھا۔ کیا ایسے لوگ بھی کسی رحم کے مستحق ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں قطعاً نہیں لیکن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب صافی میں اپنی قوم کی وہ محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ آپنے ان تمام باتوں کو نسیاً منسیاً کر دیا اور قریش سے صلح کرنیکی سعی فرمائی۔ ابتدا سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر اس کوشش میں مصروف تھے کہ کسی طرح انکی قوم اس عذاب سے بچ جائے جو رسولوں کے مخالفوں کا حصہ ہوتا ہے۔ اور اسی لیئے آپنے اس موقعہ پر بھی مصالحت کیلیئے سعی فرمائی۔ لیکن جائے تعجب ہے کہ آپکو قریش سے جسقدر الفت تھی اُن لوگوں کو آپسے اُتنی ہی نفرت تھی۔ معلوم ہوتا ہے یا تو ابھی تک اُنکو اپنی طاقت پر کسی قدر گھمنڈ تھا یا آنحضرتؐ کی نرمی سے ناجائز فایدہ اُٹھا کر گستاخی دکھاتے تھے اور اسی لیئے آپ کی محبت اور اخلاص سے بھری ہوئی کوششوں پر اُنہوں نے قطعاً توجہ نہ کی۔ خیر اسکا کچھ ہی سبب ہو لیکن آنحضرتؐ نے مصالحت کے لیئے جو کوششیں کیں وہ اُس الزام کی بریت کیلیئے کافی ہیں جو مسیحی لوگوں نے جھوٹ مُوٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگایا ہے یعنی یہ کہ معاذ اللہ آنحضرت صلعم نے قریش پر تلوار اُٹھانے میں ابتدا کی تھی۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ایسا اعتراض کرنیوالوں سے کوئی یہ تو پوچھے کہ اگر آنحضرت صلعم نے ایسے وقت لڑائی میں ابتدا کی تھی کہ جب آپکے ساتھ ایک

مٹھی بھر اور وہ بھی بے سروسامان آدمی تھے تو اب کونسی ضرورت پیش آئی تھی کہ آپ مصالحت کے خواہاں تھے اور لڑائی کو بند کرنا چاہتے تھے؟ اور اگر قریش نے طاقتور ہونیکے وقت مجبورًا اور اپنی مرضی کے برخلاف تلوار اُٹھائی تھی تو اب کمزوری کے وقت اُنکو مصالحت کرلینے سے کونسی بات مانع تھی؟ ایسے معترضین کو یہ خیال نہیں آتا کہ جس شخص کو ہر آن یہی دُھن ہو کہ کسی طرح قریش راضی ہوجائیں وہ کیونکر انسے جنگ چھیڑنے میں ابتدا کرسکتا تھا۔

آہ۔ کیسے افسوس کا مقام ہے کہ مخالفین ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس لباس جنگ پر ہی نظر ڈالتے ہیں جو قریش کے ظالم ہاتھوں سے بچنے کیلئے آپ اور آپکے صحابہؓ کو مجبورًا پہننا پڑا تھا اور اُس خیرخواہ وہمدرد قلب تک اُنکی کوتاہ بین آنکھ نہیں پہنچتی جو اس زرہ بکتر کے نیچے چھپا ہوا تھا اور جو اپنے بدخواہوں کی بہتری کیلئے شب و روز تڑپتا تھا۔

آنحضرت صلعم کی قریش سے جو محبت تھی اس میں مہاجرین بھی شریک تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو انصار مدینہ میں سے تھے ایک قریش سردار کے متعلق کچھ ہتک آمیز الفاظ کہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اُنکو ملامت کی۔ وہ بات یہ تھی کہ کہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک قریش سردار کی نسبت جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا یہ کہہ بیٹھے کہ افسوس وہ زندہ بچکر نکل گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اسی خفا ہوگئے اور غصہ سے کہا کہ کیا تم ایک قریش کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرتے ہو۔ ایسا ہی جب عبداللہ بن رواحہ نے عمرہ کے موقعہ پر کچھ جوش دلانیوالے الفاظ کہے تو سب سے پہلے اُسکو جس شخص نے روکا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ غرض اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین رضی اللہ عنہم سب کو قریش سے محبت تھی لیکن جسطرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب اعلیٰ اور شان والا تھی اسی طرح اپنی قوم سے آپکو محبت بھی دوسروں کی نسبت بڑھی ہوئی تھی۔ اور اس محبت نے یہانتک ترقی کی ہوئی تھی کہ انصار مدینہ میں سے بعض کو اس بات کا رشک بھی ہوا تھا چنانچہ

فتح مکہ کے بعد ایک موقعہ پر انہوں نے شکایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی رعایت کرتے ہیں۔

یہاں پر سوال ہو سکتا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے محبت تھی تو پھر قریش کو آپ سے کیوں محبت نہ تھی؟ ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ہمیشہ یہی سُنّت رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تو اپنی قوم سے پرلے درجہ کی ہمدردی اور اُنس ہوتا ہے اور وہ انکو اندھیرے میں دیکھکر کُڑھتے اور شب و روز اس دُھن میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح وہ نجات پا کر ظلمت سے نور کی طرف آجائیں۔ لیکن چونکہ خدا کے مرسل آسمان کی طرف سے ہوتے ہیں اسلیئے زمینی لوگ انکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اوّل الذکر تو بنی نوع انسان سے سچی الفت و محبت رکھتے ہیں لیکن دنیا کے کیڑے اس محبت کی قدر نہیں کرتے بلکہ اُلٹا اُنکو نفرت اور دشمنی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُنکی مخالفت میں ناخنوں تک زور لگاتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ ماموران الٰہی کی اس محبت کا کہیں سے کوئی جواب ہی نہیں ملتا بلکہ اکثر ایسی سعید روحیں نکل آتی ہیں جو دنیا کی ملونی سے پاک ہو کر ان آسمانی لوگوں کو پہچان لیتی ہیں اور اُنکا محبت کا جواب محبت سے دیتی ہیں اگرچہ اُنکی محبت اُس محبت کا پاسنگ بھی نہیں ہوتی جو ماموران الٰہی کو بنی نوع انسان سے ہوتی ہے۔

پیارے ناظرین! اب آپ اُس محبت اور اخلاص پر غور کریں جو صحابہ کرام رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اور چونکہ یہ اخلاص و محبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس اُلفت کا مکمل عکس تھا جو بنی نوع انسان کیلیئے آپکے قلب صافی میں بھری ہوئی تھی اسلیئے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ ہمارے آقا ہمارے سید و مولے۔ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق خدا سے کیسا اُنس اور کیسی محبت تھی۔

ہم اس سلسلہ مضامین میں پیچھے ابو سفیان کے وہ لفظ نقل کر چکے ہیں جو اُس نے

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر کہے تھے اور نیز طائف کے سردار عروہ کے وہ الفاظ نقل کر چکے ہیں۔ جو اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیبیہ میں ملنے کے بعد کہے تھے انہیں صاف صاف اس بات کا اقرار کیا گیا تھا کہ صحابہؓ اپنے نبی پر جان و دل سے فدا ہیں۔ اور اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس محبت کا جو آپکو بنی نوع انسان سے تھی حضرت مسیحؑ ناصری کی اُس محبت سے جو انکو اپنی قوم یعنی یہود سے تھی مقابلہ و موازنہ کرنا چاہے تو اُسے کہیں دور جانیکی ضرورت نہیں صرف یہ کرے کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سچی اطاعت و محبت اور وفاداری کا مسیح کے شاگردوں کی کارروائی سے مقابلہ کر لے جو اپنے استاد کے پکڑا جانے پر اُنسے ظاہر ہوئی۔ ہمارے خیال میں اس عظیم فرق کا سبب صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کُل زمانوں اور کُل اقوام کیلئے مبعوث ہوئے تھے جیساکہ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا سے صاف ظاہر ہے اور مسیح ناصری صرف اپنے زمانہ کے بنی اسرائیل کیلئے آئے تھے جیساکہ متی ۱۵ - ۲۴ سے صاف ظاہر ہے۔ پس جس طرح اول الذکر کی بعثت عالمگیر تھی اور آخر الذکر کی صرف ایک ہی زمانہ اور ایک ہی قوم تک محدود تھی اُسی طرح اُنکی محبت کا بھی قیاس کر لینا چاہیئے۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اثر صرف صحابہؓ پر ہی نمودار نہ ہوا بلکہ وہ محبت ایسی زبردست تھی کہ آخر دشمنوں پر بھی اثر کر گئی یہ آپ کی محبت ہی کی کشش تھی جسنے آخر شہر مکّہ کے جانی دشمنوں کو کھینچکر اُنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ بگوش غلام بنا دیا۔ اور آپ کی ہمدردی کی مقناطیسی قوت نے وہ کام کر دکھایا جو بیچارا مسیحؑ تو کجا دنیا کے کسی عظیم الشان نبی سے بھی ظہور میں نہ آیا۔ اللّٰھم صل علےٰ محمد و اٰلہٖ و اصحابہٖ و خلفاءہ اجمعین۔ اٰمین ثم اٰمین۔

لوگوں میں اسلام قبول کرنیکے لیئے عام تحریک ہو رہی تھی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکّہ میں تشریف لانا بڑی عمدہ ثمرات کا موجب ہوا اور اس سے جلدی ہی اچھے نتائج مترتب ہونے شروع ہو گئے اور حضرت نبی کریم صلعم کی عنایات و اسلام کی خوبیوں نے بہتسے دلوں کو تسخیر کر لیا۔ اس تسخیر قلوب کا یہ نتیجہ ہوا

کہ خالد۔ عمرو ابن العاص اور عثمان بن طلحہ جیسے نامی گرامی قریش نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کرلیا۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا خالد اور عمرو جنگ اُحد میں قریش کی طرف سے افسران فوج تھے اول الذکر میمنہ کی پیدل سپاہ کی کمان کرتا تھا اور آخر الذکر کے سپرد رسالہ کا انتظام تھا۔ عثمان ابن طلحہ بھی ایک با اثر رئیس تھا اور چونکہ کعبہ کی چابیاں اُسکے پاس تھیں اسلیئے اسکا فرض تھا کہ اپنے معزز مہمان کے لیئے بیت الحرام کا دروازہ کھولنا چنانچہ اُس نے ایسا کیا اور اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ پر ایک گہری نظر ڈالنے کا موقعہ مل گیا۔ اور دین حقہ کی عظمت اور سچائی نے اسپر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کے بے عیب چال چلن نے اُسے اپنا گرویدہ بنالیا اور اُسے کچھ ایسی لو لگ گئی کہ اسلام کی قبولیت کے بغیر اُسکے قلب مضطر نے چین نہ پکڑا ۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں "ہمیں یہ تو نہیں بتلایا گیا کہ عوام میں سے کسقدر لوگوں نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا یا مکّہ میں ہی رہ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرفداری کا اظہار کردیا۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ یہ تحریک اب مذکورہ بالا (خالد۔ عمرو۔ عثمان ابن طلحہ) لوگوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وسیع اور عام تھی اور اسلام اب دن بدن ہر دل عزیزی حاصل کرتا جارہا تھا۔"

ناظرین! یہ تمام کامیابی صلح حدیبیہ کا نتیجہ تھی اور جس صلح کو مسلمانوں نے اپنے لیئے ہتک خیال کیا تھا وہی ایک حقیقی فتح کے رنگ میں ظاہر ہوئی اور آخر وہی ہوا جو خدائے تعالیٰ نے فرمایا تھا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا۔ اس صلح کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلمان کعبہ کی زیارت سے فیض یاب ہو سکے اور اسی صلح کے باعث مکّہ والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور چونکہ مسلمانوں کی ایذا دہی جسکا آغاز مکّہ سے ہوا تھا اب بند ہوگئی تھی اسلیئے لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے۔ اگر جنگ شروع رہتا تو اس تحریک کا وجود محال تھا۔ اس صلح کا اثر نہ صرف مکّہ میں ہوا تھا بلکہ ہر جگہ اسکے عمدہ نتائج کا ظہور ہوتا جاتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب کی جس قوم نے اسلام سے جنگ وجدل بند کرکے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا عہدنامہ کرلیا آخر کار وہی اسلام کی عالمگیر اخوت میں جذب ہوگئی اور

ہمیشہ صلح کے بعد قبول اسلام ہی وقوع میں آیا یہ ایک ایسا امر ہے جو معترضین کے لیئے ایک بڑے غور کا مقام ہے عمرہ کے امن وامان کے ساتھ ادا کرنے اور بعد کی کامیابیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ رُویا پوری ہوگئی جسکی بابت قرآن کریم مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ الآیہ۔ یعنی البتہ تحقیق سچ دکھایا اللہ تعالیٰ نے رسول اپنے کو خواب ساتھ حق کے۔ البتہ داخل ہوگے مسجد حرام میں اگر چاہا اللہ نے امن سے۔ منڈاتے ہوئے اپنے سروں کو اور کترا تے ہوئے۔ نہ ڈرتے ہوگے۔ (سورہ فتح رکوع ۴)

بنی سلیم مسلمانوں کو شہید کرتے ہیں

بنی سلیم کا ایک سردار مسلمان ہوگیا تھا اور اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی خواہش کے مطابق قبیلہ مذکور کو اسلام سکھانے کیلیئے صحابہؓ کی ایک جماعت کو اُسکے ساتھ روانہ کردیا۔ لیکن بنی سلیم نے اس جماعت کو آتا ہوا دیکھکر غلطی کھائی اور ان بے ضرر واعظوں کا تیروں کی بوچھاڑ سے استقبال کیا اور بہتوں کو شہید کردیا لیکن جلدی ہی اُنہوں نے اپنا ایلچی بھیجکر نبی کریم صلعم کی اطاعت اختیار کرلی اور آنحضرت صلعم نے اُنکو معاف کردیا یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کرکے آنیکے ایک ماہ بعد کا ہے (میور صفحہ ۳۷۹)

مقام ذات اطلاح پر مسلمانوں کو شہید کیا جاتا ہی

حد شام پر ایک مقام ذات اطلاح نام تھا وہاں پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے جنکی تعداد پندرہ تھی اور جنکا امیر کعب ابن عمیر الغفاری تھا۔ لوگوں کا مجمع دیکھکر اُنہیں اسلام کی تبلیغ کی ان لوگوں نے خفا ہوکر اس دعوت کا جواب تیروں کی بوچھاڑ سے دیا اور سب کے سب مسلمان شہید کردیئے صرف ایک شخص زندہ بچا جس نے اس جانکاہ حادثہ کی خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کو سُنا تو آپکو بہت سخت صدمہ ہوا اور آپنے انتقام لینے کا ارادہ فرمایا لیکن یہ سُنکر کہ وہ

لوگ اُس مقام سے بھاگ گئے ہیں آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ (دیکھو زرقانی شرح مواہب قسطلانی جلد ثانی صفحہ ۳۱۹)۔ میور صاحب کہتے ہیں کہ " دوسرے حادثات کی طرح اس واقعہ کا بیان بھی روایات میں اسقدر مختصر ہے کہ جس سے اس مہم کی اصل غرض معلوم کرنا دشوار ہے۔ شاید یہ جماعت کسی قبیلہ کی طرف سفارت کے طور پر روانہ کی گئی ہو یا اُس مجمع کی بابت تحقیق کرنیکے لیئے گئی ہو جسکی سرحد شام پر جمع ہونیکی افواہ تھی" خواہ کچھ ہی ہو اس حادثہ سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ سرحد شام کے لوگوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ جب شام کے عیسائی رؤسا نے ہرقل قیصر روم کو اسلام کی تعریف کرتے سُنا تو انھوں نے فوراً جنگلی گدھوں کی طرح وحشت و نفرت ظاہر کی اور اپنی صلیبوں کو بلند کر کے حرکت دینی شروع کر دی۔ شام کے ان عیسائی رؤسا کا یہ مجنونانہ جوش کہ قیصر کے حضور کی بھی پروا نہ کی صاف بتلاتا ہے کہ سرحد شام پر بھی اسلام کے ساتھ ایسی ہی عداوت تھی جیسی خود عرب میں پائی جاتی تھی۔ اور آخر یہی نفرت وعناد اُن لڑائیوں کا باعث ہوئی جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین ہوئیں۔

جنگ موتہ اس لڑائی کا باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفیر کا قتل ہوا جو کہ گورنر بصری کے پاس بھیجا گیا تھا سفیر مذکور کو راستہ میں شرجبیل نام ایک عیسائی گورنر نے گرفتار کر لیا اور رسیوں سے جکڑ کر اُسکا سر قلم کر دیا۔ (زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۴۴۱)

پیارے ناظرین! اگر عرب کی بُت پرست اقوام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو تکلیف دی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسیح ناصری کے پیرو کیوں بلا وجہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ اس عیسائی حاکم کا ایک مسلمان سفیر کو بے رحمی سے قتل کرنا صحرائی عربوں کے جماعتوں کی جماعتوں کو قتل کر دینے سے بدتر تھا۔ اسلیئے اس ظالمانہ حرکت کی اطلاع پاکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا اور ظالموں کی گوشمالی کا فوراً ارادہ کر لیا۔ اور حکم دیا کہ بلا تاخیر ایک جماعت اس وقوعہ کی جگہ کی طرف روانہ ہو جائے۔ چنانچہ تین ہزار آدمیوں کی فوج جسکا سپہ سالار آپکا پیارا آزاد غلام زید تھا روانہ ہو گئے۔ فوج کی

روانگی کے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر کی اور فرمایا "اگر زیدؓ
شہید ہو جائیں تو اُنکی جگہ جعفرؓ کمان کریں اور اگر جعفرؓ کی شہادت ہو جائے تو اُسکے بعد
عبد اللہ ابن رواحہ سالار لشکر ہو اور اگر وہ بھی بدستور داعی اجل کو لبیک کہیں تو پھر
فوج اپنا افسر خود منتخب کرلے" حضرت مولوی رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں اس واقعہ
کو اسطرح منظوم فرماتے ہیں ؎ (ہم چند شعر بطور نمونہ درج کرتے ہیں)

بود موتہ موضعے در ملک شام — از مدینہ راہ یک ماہہ تمام
حاکم آں کافر و سخت و درشت — قاصد حضرت نبی را او بکشت
پس رسول اللہ بہر انتقام — لشکرے ترتیب کرد از خاص و عام
بہر سرداری گزید او زید را — حکم ایں ہم کرد آں اہل صفا
گر شہادت زید را عاید شود — پس ازاں جعفر سپہ قائد شود
بعد او ہم ہست عبد اللہ را — میری و سردارئے لشکر عطا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو رخصت کرنیکے لیئے مقام ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے۔
اور اس مقام پر پہنچکر آپ کھڑے ہوگئے اور اُسوقت جو وصیت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)
نے لشکر کو کی اُسکا درج کرنا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے تا ناظرین کو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے غزوات کی حقیقت معلوم ہو اُس رحیم کریم انسان نے (جسکا دل اپنے سفیر کے
دردناک قتل سے زخمی ہو چکا تھا) فرمایا کہ پہلے وہاں کے لوگوں کو دعوت اسلام کرو اور
اگر وہ اسلام قبول کریں تو اُنکا جرم معاف کرکے اُنسے درگذر کرو ورنہ استعینوا
علیہم باللہ وقاتلوھم یعنی اُنکے مقابل میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور اُن سے
لڑو۔ اور فرمایا اوصیکم بتقوی اللہ وبمن معکم من المسلمین خیرا اغزوا
بسم اللہ فی سبیل اللہ من کفر باللہ لا تغدروا۔ ولا تغلوا ولا
تقتلوا ولیدا ولا امرءۃ ولا کبیرا فانیا ولا منعزلا بصومعۃ ولا
تقربوا نخلا ولا تقطعوا شجرا ولا تھدموا بناء (زرقانی شرح مواہب
قسطلانی جلد ثانی صفحہ ۳۲۲) یعنی میں تمکو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور جو مسلمان تمھاری

ساتھ ہیں اُنسے نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ کے نام کے ساتھ اپنے جنگ کو شروع کرو اور صرف خدا کے لئے کفار سے (یعنی شرجبیل اور اُسکے مددگاروں سے جنہوں نے ایک مسلمان سفیر کو قتل کرکے خود جنگ کی بنا ڈالی) لڑو مگر فریب اور خیانت سے اجتناب کرو بچوں۔ عورتوں۔ بوڑھوں اور درویشوں کو ہرگز قتل نہ کرو۔ کھجوروں کے قریب مت جاؤ کسی درخت کو مت کاٹو اور نہ کسی مکان کو گراؤ۔

یہ وہ وصیت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو رخصت کرنیکے وقت فرمائی اور اس سے ایک راستی پسند انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی حالت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ آپ کا سارا سہارا اپنے خدا پر تھا اسی لئے آپنے اپنے رفقا کو تاکید کی کہ جنگ میں خدا کو مت بھولو بلکہ اُسی سے مدد طلب کرو۔ پھر آپنے اپنے سپاہیوں کو تقویٰ اللہ کی نصیحت کی یعنی اپنے ہر ایک کام میں خدا کا خوف مدّنظر رکھو اور کوئی ایسا کام نہ کرو جو تقویٰ اور طہارت کے برخلاف ہو۔ کسی پر ظلم نہ کرو کسی کے مال کو ناجائز طور سے نہ چھینو اور کسی متنفس کو بے جا طور پر دُکھ نہ دو۔ اور لشکر کے سرداروں کو حکم دیا کہ اپنے ماتحت سپاہیوں سے نیک سلوک کرو اور فرمایا کہ خدا کے نام کے ساتھ جنگ کو شروع کرو اور جنگ میں بھی دشمن کے ساتھ کوئی دغابازی نہ کرو اور دشمنوں کے بچوں۔ عورتوں اور بوڑھوں اور درویشوں پر رحم کرو۔ فصلوں اور درختوں کو مت کاٹو اور مکانوں کو مت گراؤ۔ سبحان اللہ اس سے بھی بڑھکر جنگ میں دشمن کے ساتھ زیادہ رحم کا سلوک ہوسکتا ہے؟ مگر افسوس ظالم مسیحی معترض کی آنکھ پر کیسا پردہ چھا گیا ہے کہ وہ ایسے مقدس اور رحیم کریم انسان پر اعتراض کرتا اور اُسکو اور اُسکی جماعت کو لٹیروں اور تعدی کرنیوالوں کی جماعت قرار دیتا ہے۔ وہ شخص جو اپنے سپاہیوں کو جنگ میں بھی حکم دیتا ہے کہ تقویٰ پر چلو اور خدا سے ڈرو اُسکی نسبت کہنا کہ اُس نے لوٹ مار شروع کرکے اور بے قصور بے گناہ بیٹھے بٹھائے لوگوں پر فوج کشیاں کرکے ہر طرف جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا کیسا ظلم ہے۔

غرض ادھر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لشکر روانہ فرمایا اور دوسری طرف شرحبیل خوب جانتا تھا کہ اُسکی اس وحشیانہ حرکت کا کیا نتیجہ ہوگا اسلیئے اُس نے پہلے ہی سے قیصر کے دوسرے گورنروں کو اپنے ساتھ گانٹھ لیا ہوا تھا اور انہی کے بھروسہ پر وہ اس زیادتی کا مرتکب ہوا تھا۔ اب اس طرح ان لوگوں سے مل ملا کر اس جھگڑے کو شاہی جھگڑا بنا دیا تھا اور پہلے ہی سے سخت وپز کے پوری تیاری کر لی تھی اسلامی فوج ابھی راستہ ہی میں تھی جب اُنکو معلوم ہوا کہ دو لاکھ عیسائی فوج جنمیں ایک لاکھ رومی ہیں مقام بلقار پر جمع ہے اور خود قیصر روم اُسکا سپہ سالار ہے۔ اس فوج کی نسبت میور لکھتا ہے کہ "تھیوفینس کے ایک فقرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ہرقل کا بھائی تھیوڈورس ایک عظیم الشان فوج لیکر آیا تھا اسی کی نسبت یہ افواہ ہوگی کہ خود قیصر دو لاکھ فوج سے میدان میں پڑا ہے۔" غرض اس بڑی فوج کی چونکانے والی خبر مسلمانوں کو مقام معان پر پہنچی اور وہیں افسروں نے جمع ہوکر مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ چونکہ حضرت نبی کریم صلعم نے اتنی بڑی فوج سے مقابلہ کرنیکا حکم نہیں دیا تھا اسلیئے بعض کی تو یہ رائے ہوئی کہ حضورؐ کو خبر کیجائے اور جو حکم دیں اسپر عمل ہو لیکن بعض ایسے تھے جو بہر صورت آگے ہی بڑھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ عبد اللہ بن رواحہ نے بڑی زور سے فرمایا کہ "کیا ہم اسی لیئے یہانتک کوچ کرکے آئے ہیں؟ کیا ہمارا بھروسہ صرف اپنی تعداد پر ہے یا خدائے تعالےٰ کی نصرت پر؟ اگر فتح نہیں تو شہادت ہی سہی اور ایک نہ ایک ضرور حاصل ہوگی اسلیئے آگے بڑھو" اس تقریر کا ہر ایک نے یہ جواب دیا "خدا کی قسم۔ رواحہ کا بیٹا بالکل سچی بات کہتا ہے آؤ ہم جلدی آگے بڑھیں" پس اسلامی فوج نے کوچ کر دیا اور جب وہ موتہ پہنچے تو عیسائی فوج نے اُنپر حملہ کر دیا۔ مسلمان کثیر التعداد عیسائی فوج سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسلامی عَلَم کو ہاتھ میں تھاما اور اپنی دستہ فوج کو آگے بڑھا کر حملہ کیا اور بہادری سے لڑتے لڑتے جام شہادت پی لیا۔ اسکے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب (جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے) عَلَم بردار ہوئے اور انہوں نے اپنے گھوڑے سے نیچے کود کر اُسکے پاؤں قلم کر دیئے

جو اس بات کا ایک نشان تھا کہ میدان میں سے ہرگز کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اُنہوں نے سفید جھنڈے کو اُٹھا کر ہوا میں ہلایا اور اپنے آدمیوں کو آگے بڑھکر حملہ کرنیکے لیے للکارا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا جسم تھوڑے ہی عرصہ میں زخموں سے پُر ہو گیا لیکن وہ برابر اخیر دم تک لڑتے رہے۔ عَلَم پہلے اُنکے دائیں ہاتھ میں تھا جب وہ کٹ گیا تو اُنہوں نے اسے بائیں ہاتھ میں لے لیا اور جب بایاں بھی کٹ گیا تو اُنہوں نے ٹنڈ ہاتھوں کے سہارے اُسکو چھاتی سے لگا لیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے تمام زخم تعداد میں نوّے کے قریب تھے (صحیح بخاری) اور وہ سب کے سب اُنکے جسم کے اگلے حصہ پر ہی تھے جن سے آخر وہ شہید ہو گئے۔ حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے جھنڈے کو پکڑ لیا لیکن وہ بھی بدستور داخل جنت ہوئے۔ اب جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی اُنکے مطابق افسران فوج نے مشورہ کیا اور حضرت خالدؓ کو سالار لشکر منتخب کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے اس جوانمردی اور دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا کہ اُنکے ہاتھ میں اُس دن یکے بعد دیگرے نو تلواریں ٹوٹیں۔ خالدؓ نے اگرچہ عیسائی فوج کو بڑی بہادری سے پیچھے ہٹا دیا لیکن دشمن کی کثیر تعداد کا کہاں تک مقابلہ ہو سکتا تھا اسلیئے وہ باقی ماندہ فوج کے ساتھ مدینہ کو واپس آ گئے۔ خالدؓ نے اس میدان میں جو جنگ آزمائی کے جوہر دکھائے اُنکے عوض اُنکو "سیف اللہ" کا خطاب ملا۔ یہ لڑائی ابدالآباد تک تاریخ کے صفحات پر اُس بہادری اور دلیری کی ایک روشن مثال کے طور پر یادگار رہے گی جو اسلام نے مسلمانوں میں پھونک دی تھی۔

جب موتہ میں لڑائی ہو رہی تھی تو میدان جنگ کا تمام نظارہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کشف میں دکھایا گیا اور مدینہ میں بیٹھے بیٹھے دور دراز کے میدان کارزار کا تمام نقشہ آپکی آنکھوں کے سامنے جما دیا گیا گویا کہ آپ نے اپنے صحابہؓ کی جانبازکوشش اور بہادری کا خود مشاہدہ کر لیا۔ اور پیشتر اسکے کہ ایلچی لڑائی کے نتائج کی خبر لیکر پہنچیں آپ نے مدینہ کے اصحاب کو اطلاع دیدی تھی کہ زید۔ جعفر اور عبد اللہ تو لڑ کر ایک

باری باری علَم کو اُٹھاکر اور بہادری سے لڑکر شہید ہو گئے ہیں لیکن جب خالد کی باری آئی تو خدائے تعالٰی نے اُسکو فتح دیدی (صحیح بخاری جزو ثالث صفحہ ۷۳)

جب ایلچی خبر لیکر پہنچا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان شئت اخبرنی وان شئت اخبرتک یعنی "اگر تم چاہو تو مجھے اطلاع دیدو وگرنہ اگر تمہاری مرضی ہو تو مَیں ہی بتلائے دیتا ہوں کہ کیا واقع ہوا ہے" دراصل اس فوج کی روانگی کے وقت آنحضرت صلعم نے جو ہدایات دی تھیں وہ بجائے خود ایک پیشگوئی تھی۔ آپنے فرمایا تھا کہ "پہلے زید فوج کا افسر ہو اور جب وہ شہید ہو جائے تو جعفر اُسکی جگہ لے اُسکے بعد عبداللہ بن رواحہ سالار لشکر ہو۔ اور عبداللہ کی شہادت کے بعد فوج خود اپنا سردار منتخب کر لے" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہدایات پہلے کبھی کسی موقعہ پر نہیں فرمائی تھیں۔ اور عجیب تر یہ کہ ہر ایک بات بعینہٖ اسی طرح وقوع میں آئی جسطرح حضورؐ نے فرمایا تھا۔ جس ترتیب سے لوگوں کے نام لئے گئے تھے وہ اسی ترتیب سے شہید ہوئے یعنی پہلے زید پھر جعفر اور اُنکے بعد عبداللہ۔ اب عبداللہ کے بعد جو شخص آپکی ہدایات کے مطابق منتخب ہوا وہ اخیر وقت تک لڑتا رہا اور جبتک رومی فوج کو پیچھے نہ ہٹا دیا اُسوقت تک اُس نے پیٹھ نہ پھیری۔ گویا اس میں اشارہ تھا کہ ان تین شخصوں کی شہادت کے بعد جس شخص کو فوج اپنا سردار منتخب کریگی وہ آخری شخص ہوگا اور اُسکے بعد کسی اور کے انتخاب کی ضرورت نہ ہوگی۔

یہ بے محل نہ ہوگا اگر ہم اپنے ناظرین کی آگاہی کیلئے یہاں پر یہ بیان کردیں کہ اسلامی فوج محض اسلیئے بھیجی گئی تھی کہ شرحبیل عیسائی سردار کو اُسکے وحشیانہ جرم یعنی ایلچی کے قتل کی سزا دے اور سالار لشکر کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف ہدایت فرمائی تھی کہ سیدھا اُس مقام کی طرف کوچ کرے جہاں پر آپکے سفیر کو بے رحمی سے شہید کیا گیا تھا۔ لیکن اس ظالم عیسائی سردار کا ساتھ نہ صرف سرحد شام کی عیسائی اقوام مثل لخم۔ جذام۔ قیس۔ بہرا۔ بلی۔ بنی وبل۔ بکر وغیرہا نے ہی دیا بلکہ دوسرے رومی گورنروں اور خود شاہی فوج نے بھی اُس کی

حمایت کی - چونکہ مسلمان اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کرنیکے لیئے تیار نہ تھے اس لیئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے جلیل القدر صحابہؓ اس جنگ میں شہید ہوگئے اور اُنکی وفات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔

اب اس طرح چونکہ عیسائی سرداروں سرحد کے عیسائی قبائل اور خود قیصر کی فوج نے اس ظالم سردار کی حمایت کرکے مسلمانوں کے خلاف ایک اور جرم کا ارتکاب کیا تھا اسلیئے عیسائی سپاہ کا ہر فرد بشر ایسا ہی مجرم تصور کیا جا سکتا تھا جیسا کہ خود وہ شریر النفس شرجبیل تھا جسکی حمایت کا انہوں نے بیڑا اُٹھا لیا تھا۔ آج اگر عیسائی اُس دن کو روتے ہیں جب مسلمانوں نے اس سرزمین کو فتح کیا تھا جس میں انکے خداوند کا مسکن تھا تو اس کا الزام انکے اپنے آبا و اجداد پر وارد ہوتا ہے جنہوں نے اسلام سے عناد اور مسلمانوں پر بے جا زیادتیاں کرکے خود لڑائی مول لی تھی اور مسلمانوں کو بدلہ لینے پر مجبور کرکے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری تھی یعنی اپنا ملک اپنے آپ ہاتھ سے کھویا تھا۔ یہاں بھی قریش کی طرح سبقت عیسائیوں ہی کی طرف سے ہوئی۔

ہمارے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بنی جذام نام ایک عیسائی قبیلہ نے جو قیصر کے زیر اثر تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر دحیہ کو لوٹ لیا تھا جبکہ وہ شام سے واپس آرہا تھا۔ اگرچہ وہ قیصر ہی کے پاس بھیجا گیا تھا اور وہیں سے ہی تحائف سمیت واپس آرہا تھا لیکن عیسائی اقوام کو اسلام سے اسقدر نفرت تھی کہ انہوں نے خود اپنے شہنشاہ کے حضور سے لوٹنے والے ایلچی کا بھی پاس نہ کیا اور جو کچھ اُسکے پاس تھا سب کچھ لوٹ لیا اور اسی میں وہ تحائف بھی لوٹ لیئے جو خود قیصر نے دیئے تھے (دیکھو میور کی لائف آف محمد (صلعم) صفحہ ۳۴۵) اور خود میور اپنی لائف آف محمد (صلعم) کے صفحہ ۳۸۱ پر ایک نوٹ میں لکھتا ہے کہ یہ قبیلہ بھی شاہی فوج میں شامل تھا جس نے مقام موتہ میں مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اور میور اس امر کی بھی شہادت دیتا ہے کہ دومۃ الجندل کے عیسائی قبائل نے ۵ھ ہجری میں ہی مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا تھا اور مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے تیاریاں کر رہے تھے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حملہ کو روکنے اور لٹیروں کو منتشر کرنیکے لیئے سخت گرمی کے

وقت ایک لمبا اور تھکا دینے والا سفر کرنا پڑا تھا۔ علاوہ ازیں ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ پندرہ بے گناہ مسلمانوں کو سرحد شام کے عیسائی قبائل نے نہایت بے رحمی سے شہید کر دیا تھا مسلمانوں کی اس جماعت کی نسبت میور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلعم) کے صفحہ ۳۸۰ پر صاف اقرار کرتا ہے کہ وہ لوگ کسی جنگ کے ارادہ سے وہاں نہیں گئے تھے اور نہ ہی اُنکو کسی کی ایذا دہی مقصود تھی۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ جب ان لوگوں کا کسی جنگ و جدل کا ارادہ ہی نہ تھا اور نہ ہی کسی کو ایذا دینا چاہتے تھے جیسا کہ میور خود تسلیم کر رہا ہے تو پھر رحم مجسم عیسائیوں نے اُنپر تلوار کیوں چلائی؟ اسکا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو محض اسوجہ سے شہید کیا گیا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول مانتے تھے۔ اس وحشیانہ قتل عام کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر الحارث بن عمیر ایک عیسائی گورنر شرجبیل بن عمرو کے ہاتھ سے قتل ہوا اور جب اس ظلم و ستم اور حقوق بین الاقوام کی خلاف ورزی سے مجبور ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم سردار کی گوشمالی کیلئے ایک دستہ فوج بھیجا تو نہ صرف تمام عیسائی سردار اور سرحد کے عیسائی قبائل اُسکی امداد اور حمایت پر آمادہ ہو گئے بلکہ خود قیصر کی سپاہ مجرم شرجبیل کی حمایت کے لیے آموجود ہوئی اور مسلمان جب مقام واردات پر پہنچے تو سامنے اتنی بڑی فوج موجود تھی جو انہوں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس مور و ملخ سے لشکر کو کیوں جمع کیا گیا تھا؟ اسکا جواب ناظرین خود سوچ لیں اور دیکھ لیں کہ اسکے سوا عیسائیوں کی اور کیا غرض ہو سکتی تھی کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی فوج کو کچل کر انکی بوٹی بوٹی اُڑانا چاہتے تھے اور یہ صرف اسلیئے کہ انہوں نے ایک ظالم کو اُنکے ظلم پر سزا دینے کا کیوں ارادہ کیا تھا۔ عیسائیوں نے اس بات میں اپنی سبکی سمجھی کہ مسلمانوں کا نیا فرقہ اُنسے بدلہ لینے کا خیال کرے شاید اُنکا خیال تھا کہ مسلمانوں کے خلاف خواہ وہ کیسا ہی ظالمانہ و جابرانہ جرم کریں سب جائز ہے۔ جائے تعجب ہے کہ عیسائی تو مسلمانوں کی بے عزتی کریں اُنکے سفیروں کو لوٹیں اُنکے ایلچیوں کو قتل کریں اور پھر اُنکی جماعتوں کی جماعتیں کمال بیرحمی سے شہید کر دیں لیکن جب مسلمان مجبور ہو کر ان ظالموں سے بدلہ لینا چاہیں اور وہ

بھی اس خیال سے کہ آیندہ ایسے ظلم و ستم کی روک تھام ہو جائے تو انکی عزت میں فرق آئے اور وہ مسلمانوں کے اس فعل کو گستاخی پر محمول کر کے بزعم خود انکو سزا دینے پر آمادہ ہو جائیں ان مسیحی بزرگوں کی میراث سے سر ولیم میور نے بھی حصہ لیا ہے اور آپکے خیال میں مسلمانوں کی یہ مہم جو شمال کی طرف بھیجی گئی تھی در اصل ملک شام کی حد پر ایک بے جا حملہ تھا؛ جس طرح میور صاحب نے قریش کے علانیہ مظالم کو نظر انداز کر کے اندھا دھند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادتی اور جنگ میں سبقت کرنیکا الزام لگایا ہے۔ اسی طرح وہ مسیحیوں کی ان کرتوتوں پر آنکھ بند کرتا ہے اور انکے وحشیانہ حرکات پر مطلق توجہ نہیں کرتا بلکہ اُلٹا مسلمانوں کو الزام دیتا ہے کہ ان مظالم سے تنگ آکر اپنی حفاظت کا کیوں انتظام کیا اور معلوم ہوتا ہے کہ ولیم میور اور دوسرے مسیحی معترضین اسلام کے دشمنوں کے لیئے خواہ وہ مکہ کے قریش ہوں یا صحرا کے بدد خواہ مدینہ کے یہودی ہوں یا صحرائے شام کے عیسائی غرض ہر ایک کے لیئے اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ مسلمانوں پر جسقدر چاہیں سختی و تعدی کرلیں بلکہ محض اس جرم پر کہ انہوں نے اسلام کیوں قبول کیا بے شک انہیں قتل بھی کر دیں۔ اور اُن کے نزدیک مسلمانوں کا کوئی حق نہیں کہ اپنی حفاظت تک کے لیئے کوئی تدبیر کریں۔

ہمارے ان مہربانوں نے اسلام کے بے شمار دشمنوں کی زیادتیوں پر تو ذرا توجہ نہیں کی لیکن مسلمانوں نے اگر اپنی حفاظت کا تھوڑا سا بھی سامان کیا ہے تو اُسپر صرف مفصل نکتہ چینی ہی نہیں کی بلکہ غلط بیانی کر کے ان مدافعت کی تدابیر کو زیادتی کا جامہ پہنا دیا ہے۔ جائے تعجب ہے کہ ان مسیحی معترضین کی آنکھ میں عرب کا تمام ملک اور سرحد شام تک کی عیسائی قومیں تو بے گناہ ہیں لیکن جزیرہ نما عرب بھر میں اگر کوئی گنہگار ہے تو وہی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والی مسلمانوں کی جماعت ہے مسلمانوں کو عیسائیوں کے ہاتھ سے اور خصوصاً شمال کے رہنے والے مہذب عیسائیوں کی طرف سے بت پرستوں کی نسبت بہتر سلوک کی امید تھی لیکن خلاف امید یہ بھی اسلام کے ایسے ہی دشمن ثابت ہوئے جیسے کہ عرب کے بُت پرست تھے۔ بھلا اس سے بڑھکر اور وحشیانہ حرکت کیا ہو سکتی تھی کہ مسلمانوں کی پوری کی پوری بے گناہ جماعتوں کو سرد مہری سے

قتل کر دیا۔ انکے سفیر کو لوٹ لیا اور انکے ایلچی کو بے رحمی سے رسّوں کے ساتھ جکڑ کر اسکا سر قلم کر دیا۔ لیکن میور صاحب سے یہ کہاں ہوسکتا ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم کرلیں کہ اس زمانہ کے اسکے مسیحی بھائی واقعی ان وحشیانہ حرکات کے مرتکب ہوئے تھے انکو اسلام سے کچھ ایسی سخت نفرت تھی کہ مسلمانوں کے معاملہ میں انکی تمام نیکی کی طاقتیں سلب ہوگئی تھیں اور جس عیسائی فیاضی کا دعویٰ آجکل کے مشنری پیش کیا کرتے ہیں وہ مسلمانوں کے دشمن ہو کر انسے ایسی رخصت ہوگئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں پر سختیاں کرتے وقت انکے دل پرلے درجہ کے تنگ ہوگئے اور جو یسوع کے بے ضرر برّے تھے وہ جنگل کے خونخوار بھیڑیئے بن گئے۔

ناظرین! ان سب سے بڑھکر جو لطیف بات ہے وہ یہ ہے کہ جو شریر النفس اشخاص ان جرائم کے مرتکب ہوئے تھے انکی حمایت نہ صرف عیسائی سرداروں اور عیسائی قبائل نے کی بلکہ خود شاہی لشکر نے ان کا ساتھ دیا۔ اور جب ان مجرموں کے واقعی جرم کی مناسب سزا دینے کے لیئے مسلمانوں کی فوج آئی اور وہ بھی اس نیت سے کہ آیندہ مسلمانوں پر ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو تو تمام عیسائی رؤسا عیسائی قبائل اور خود قیصر کے سپاہیوں نے متفق اور متحد ہو کر مجرم کا ہاتھ بٹایا اور ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کی ساری کی ساری فوج کو تباہ کردیں۔ اب اگر شرجبیل ایک ناجائز اور عمداً قتل کا مجرم تھا تو ہر ایک شخص جس نے اسکی حمایت کا بیڑا اُٹھایا تھا وہ بھی یکساں اُن مسلمانوں کے قتل کا مجرم تھا۔ جنکو عیسائیوں کے متفقہ اور متحدہ لشکر نے موتہ پر شہید کیا تھا۔ اسوقت سے یہ لوگ بلکہ یوں کہو کہ شام کی عیسائی سلطنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے آزاد غلام زیدؓ اور آپکے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر مسلمان جرنیلوں بلکہ اُن تمام مسلمانوں کے قتل کے ذمہ وار ہوگئی جو اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔

پس اسلیئے مسلمانوں نے بعد میں جو کچھ کیا وہ جائز اور ظالم کے ظلم کی سزا تھی۔

فروہ اور جبلہ کا اسلام قبول کرنا	اگرچہ سرحد شام کے بہت سے عیسائی اسلام کے دشمن تھے اور انکی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ اُنھوں نے مسلمانوں پر ناگفتہ بہ سختیاں کرکے خود لڑائی

کی بنیاد ڈالی تھی تاہم ان میں بھی بعض شریف انفاس تھے جنکا ذکر کرنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اگر قیصر کے بہت سے عیسائی افسروں اور شمالی سرحد کے بہت سے عیسائی قبائل کے نامعقول افعال پر ہماری آنکھیں آنسو بہاتی ہیں تو ساتھ ہی ہمارا دل ان شریف لوگوں کی مدح سے پر ہے جنکے حسن سلوک کے صرف ابتدائی مسلمان ہی احسانمند نہیں تھے بلکہ ابتک اور آیندہ بھی اہل اسلام کی نسلیں انکے احسانات کی قائل ہیں اور رہیں گی ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب مسلمانوں نے مکہ والوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر پہلے پہل اپنے گھروں کو خیرباد کہی تو نجاشی شاہ حبش نے جو ایک عیسائی بادشاہ تھا ان مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دی پھر یہ پوشیدہ امر نہیں کہ مقوقس شاہ مصر نے جو مذہبًا عیسائی تھا مسلمان سفیر کی بڑی عزت کی تھی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کے نامہ مبارک کو بڑی عزت و تکریم کے ساتھ ایک ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھوا دیا تھا جو آجتک محفوظ چلا آتا ہے۔ اور بعد ازاں اس اسلامی سفیر کو مؤدبانہ جواب دیکر رخصت کیا تھا اور اسکے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کے لیئے قیمتی تحائف بھی روانہ کیئے تھے جب آنحضرت صلعم نے دحیہ کو ہرقل قیصر روم کے پاس بھیجا تو قیصر نے بھی مقوقس کی طرح اسکی عزت و تکریم کی بلکہ ایک خلعت بھی عنایت فرمایا انکے علاوہ شمال کے عیسائی سرداروں میں بھی بعض ایسے موجود تھے جو نہ صرف مسلمانوں کے دوست بلکہ مریم کے بیٹے کی خدائی کے اعتقاد کو چھوڑ کر اسلام کے خدا پر ایمان لائے۔ ایسے لوگوں میں جبلہ بن ایہم ایک غسانی سردار اور فروہ ایک شامی گورنر کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اسوقت ان دونو ہی نے اسلام قبول کیا تھا۔ آخر الذکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نیاز نامہ لکھکر اپنے تبدیل مذہب کی آپکو اطلاع کی اور ساتھ ہی بہت سے تحائف بھی بھیجے جنمیں ایک سفید خچر فضہ نام۔ ایک گدھا اور ایک طلائی پوشاک تھی۔ ان تحائف کی رسید اور خط کا جواب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک نامہ مبارک میں دیا جسمیں گورنر مذکور کی روحانی رہنمائی کے لیئے چند نصائح بھی ارقام فرمائی تھیں جب فروہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر رومی حکام کو ہوئی تو انہوں نے پہلے تو ترغی

وغیرہ مہربانیوں اور انعامات کا لالچ دلا کر اُسکو دوبارہ عیسائی کرنا چاہا لیکن جب اُنکی ایک بھی تشئیں کارگر نہ ہوئیں اور فروہ برابر اسلام پر مضبوط رہا تو اُسکو صلیب پر لٹکا دیا گیا اس طرح رومی گورنمنٹ نے پہلے جرائم پر ایک اور سنگین جرم کی اپنے ہاتھوں سے ایزادی کرلی۔
ناظرین! آپ ہی خیال فرمائیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وفادار اور صادق مرید کے مصلوب ہونے پر کسقدر رنج ہوا ہوگا اور اس رنج دہی کی ذمہ دار رومی حکومت تھی جس نے آخر اسکا خمیازہ بھی اُٹھایا۔

ہمیں بار بار یسوع کے بے ضرر پیرؤں کی اس سنگدلی پر تعجب آتا ہے انہوں نے کس بیرحمی اور ناخداترسی سے بےگناہ مسلمانوں کو محض تبدیل مذہب کے جرم پر تہ تیغ کردیا۔ خیر کچھ ہی ہوا لیکن اس نومسلم سردار نے اپنے مذہب کی صداقت پر خون سے مُہر کردی اور اسلام سے فرزند ہونیکی بجائے اس مقدس دین پر اپنی جان قربان کردی۔ آجکل کے عیسائی واعظ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے وہ فروہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی قربانی سے سبق حاصل کریں اگر ناظرین اس امر کی مزید تصدیق چاہیں کہ اسلام سرحد شام پر خود بخود ترقی کررہا تھا تو دیکھ لیں کہ میور لائیف آف محمد (صلعم) صفحہ ۳۸۳ پر لکھتا ہے کہ "اسوقت شام کی سرحد پر بہت سے لوگ محمد (صلعم) کے مذہب کو قبول کررہے تھے"

سرحدی قبائل کی شورش

چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کے قاتل شرجبیل کی حمایت میں رومی حکومت کے عیسائی سرداروں اور خود قیصر کی سپاہ نے بھی مسلمانوں کے مقابل ہتھیار اُٹھائے تھے اسلیئے سرحد شام کی اکثر قومیں دلیر ہوگئی تھیں اور انہوں نے مدینہ پر ایکدفعہ پھر حملہ کرنیکی تیاریاں شروع کردی تھیں جب یہ خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ تو آپنے عمرو بن العاص کو جو حال ہی میں مسلمان ہوا تھا تین سو پیدل اور ۳۰ سواروں کے ساتھ اس مجمع کو منتشر کرنیکے لیئے روانہ فرمایا۔ چونکہ عمرو کا تعلق رشتہ داری سرحد کی ایک قوم بنی بلی سے تھا اس لیئے اسکو اس مہم کا افسر مقرر کیا گیا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہمیشہ یہی تڑپ تھی کہ کسی طرح امن و امان قائم ہوجائے اس لیئے آپنے شمالی سرحد کی بعض قوموں

سے بھی عہد و پیمان کر رکھا تھا۔ اور عمرو کو حکم دیا کہ مفسدہ پردازوں کی سرکوبی میں دوست قبائل سے بھی امداد لیلے۔ غرض عمرو مدینہ سے روانہ ہوئے اور دس دن تک برابر کوچ کرتے چلے گئے اسقدر سفر کرنیکے بعد انکو معلوم ہوا کہ دشمن بڑی تعداد میں جمع ہے اور دوست قبائل سے بھی کسی قسم کی امداد کی توقع نہیں۔ پس انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایلچی بھیجکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمک روانہ کرنیکی درخواست کی۔ اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسو آدمی جنمیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے ابوعبیدہ بن جراح کے ماتحت عمرو کی اعانت کے واسطے روانہ فرمایا اور تاکید کردی کہ دونو افسر ایک دوسرے کے ساتھ ملکر کام کریں اس کمک کے پہنچنے کے بعد عمرو بن العاص نے شمالی مفسدہ پردازوں کے مجمع کو منتشر کردیا اور دوست اقوام کے ساتھ جو پرانے معاہدے تھے انکو اور مضبوط کیا۔ (زاد المعاد صفحہ ۴۱۶ - جلد اوّل)

امن و امان کی اشاعت

اہل اسلام اور عربوں کے تعلقات میں اب ایک بڑا تغیر واقع ہو رہا تھا ایک وقت تھا جب مسلمان بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے تھے اُسی وقت سے صحرائی بدو قبائل شورش پر آمادہ ہوگئے تھے اور مدینہ پر بار بار لوٹ مار کرنیکے لیئے حملہ کرنے لگ گئے تھے۔ ان حملوں کا جواب دینے میں مسلمان سخت آزمایش میں ڈالے گئے انکو ہمیشہ چوکنا رہنا پڑتا اور جہاں کہیں سے ایسے مجمع کی خبر آتی جھٹ وہیں پہنچکر انکو منتشر کردیتے۔ بعض اوقات مسلمانوں کی جماعتوں کی جماعتوں کو ان صحرائی عربوں نے دغابازی سے شہید کردیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجرموں کی قرار واقعی گوشمالی کرنی پڑی کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو ان ظالموں کو اور جرأت ہوتی اور ایسی سختیوں کا پھر اعادہ ہوتا۔ مسلمانوں کی اس ہوشیاری نے اور سب سے بڑھکر آسمانی امداد نے جو ہمیشہ اُنکے شامل رہی آخرکار عربوں پر اثر کرنا شروع کیا اور جب وہ مسلمانوں کو تباہ کرنیکی بے فائدہ کوششوں سے تھک گئے اور انکو معلوم ہوگیا کہ بت پرست خدا پرستوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو انہوں نے

مسلمانوں سے دوستانہ معاہدے کرنیکا ڈھنگ ڈالا۔ جسکے لیئے مسلمان پہلے ہی دل وجان سے تیار تھے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مکہ کے راستہ پر کی بعض قوموں نے اور حد شام پر کے بعض قبائل نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کر لیئے تھے۔ اب انکے علاوہ بعض دوسرے قبائل نے بھی جو عرصہ تک مسلمانوں کے لیئے تکلیف کا موجب رہ چکے تھے صلح پر آمادگی ظاہر کی اور عہد کیا کہ آئندہ کسی قسم کی ضرر رساں کارروائی نہ کریں گے ان تازہ معاہدات کرنیوالوں میں بنی سلیم اور بنو فزارہ تھے۔ اول الذکر نے بھی محاصرہ مدینہ میں کفار کا ساتھ دیا تھا اور آخر الذکر تو وہی قوم تھی جن کا سردار آنحضرت صلعم کا مشہور مخالف اور قریش کے بدّو مددگاروں کا سرغنہ عیینہ تھا۔ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان خونخوار بدّوؤں کے حملوں کا دفعیہ نہ کرتے بلکہ عیسائیوں کے ناقابل عمل اصول پر چلکر ایک کے بعد دوسرا گال آگے کر دیتے تو اسکا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن جو روش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی اور اس پر چلکر آئندہ جو نتائج مترتب ہوئے وہ اس امر پر دال ہیں کہ جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ نہایت ہی مناسب اور موزون تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے حملوں کی نہایت پھرتی سے روک تھام اور انکے جرائم پر انکی فوراً گوشمالی کی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ بھیڑیئے بڑے بنگئے اور مسلمانوں نے دوبارہ امن وامان کا مُنہ دیکھا جو اسلام لانیکے وقت سے انکو میسر نہیں آیا تھا۔

ناظرین! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مغلوب دشمنوں کے ساتھ مصالحت کا عہد کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ عربوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحرائی بدوؤں سے لڑنے میں یہی غرض ہوتی کہ انکو جبراً مسلمان کر لیا جائے تو اس موقعہ پر انہیں صاف کہدیا جاتا کہ اگر تم مسلمان نہ ہوگے تو تلوار تمھارا فیصلہ کریگی۔ جو لوگ اب مغلوب ہو چکے تھے اگر انسے یہ شرط کیجاتی کہ جبتک اسلام نہ لاؤ گے تم سے ہرگز صلح نہ کیجائیگی تو بھلا ان کی کیا مجال تھی کہ فاتح اور غالب مسلمانوں کو ایسی شرائط سے روک سکتے لیکن ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی حضرت نبی کریم

نے کسی کو کبھی جبرًا مسلمان کیا۔ آنحضرت صلعم ہمیشہ اس بات کے خواہشمند تھے کہ کوئی شخص یا
کوئی قبیلہ اُن سے صلح کا معاہدہ کرے اور ایسے معاہدات کا آپ ہمیشہ بڑی احتیاط سے
پاس کیا کرتے تھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میری کامیابی کا مدار
کسی طاقت یا جتھے پر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی نصرت پر ہے* اور اصل بات بھی یہی تھی کیوں کہ
مسلمانوں کو اسقدر طاقت کہاں تھی کہ تن تنہا ایک طرف تو تمام عرب کا مقابلہ کرتے اور دوسری
طرف حد شام کے طاقتور عیسائی سرداروں اور عیسائی قبائل سے بھی دست پنجہ لیتے۔
یہاں اس بات کے بتلانیکی ضرورت نہیں کہ شامی عیسائی بھی اسلام کے ایسے ہی دشمن تھے
جیساکہ صحرائے عرب کے بُت پرست۔ پس جب ایسے طاقتور اور کثیر التعداد دشمن ہوں تو
کسی کا یہ حوصلہ ہوسکتا ہے کہ تھوڑی سی جماعت کے بھروسہ پر یہ پیشگوئی کردے* کہ مجھے انجام کار
بڑی کامیابی ہوگی؟۔ ناظرین! یہ قول صرف اس شخص کا ہوسکتا ہے جسکو انسانوں کے
بجائے انسانوں کے خالق کی امداد پر بھروسہ ہو غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی
یا اپنے صحابہ کی طاقت پر کچھ بھروسہ نہ تھا بلکہ آپکو اپنے مولا کی طرف سے کامل امید تھی کہ وہ
آپکو کبھی ضائع نہیں کریگا کیونکہ ع کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے پاک بندوں کو۔ آپ فرمایا کرتے
نصرت بالرعب۔ خدائے تعالیٰ نے میرے دشمنوں پر رُعب ڈالکر میری مدد کی ہے
اور واقعات آپکے اس قول کی تصدیق کررہے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک مختصر
سے دستہ کے پہنچنے پر دشمنوں کی بڑی تعداد بھاگتی ہوئی نظر آتی۔ اور گو کہ ہر سال مختلف
مقامات پر دشمن جمع ہوتے رہتے لیکن جونہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُنکے ارادوں
کی اطلاع ہوتی اور آپ اُنکے منتشر کرنے کیلئے مدینہ سے نکلتے وہیں اُنکے سارے کے
سارے مجمع پر مردنی چھا جاتی اور وہ خوفزدہ ہوکر نہایت سراسیمگی و پریشانی سے
جدھر کسی کے سینگ سماتے اُس طرف بھاگ کھڑے ہوتے۔ یہ واقعات اس بات کی تصدیق کرتی
ہیں کہ آپ کو الٰہی رُعب کے ذریعہ حملہ آور دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی۔

قریش کی عہد شکنی صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ جو چاہے مسلمانوں کا
مددگار ہوجائے اور اسی طرح جس کا جی چاہے قریش کا بھی مددگار ہوسکتا تھا۔ اور جب

* اپنی کامیابی اور مخالفین کی ناکامی کی پیشگوئی محض وحی الٰہی کی بنا پر تھی جس کا مفصل ذکر انشاء اللہ تعالیٰ
فتح مکہ کے موقعہ پر کیا جائے گا۔ منہ

شرائط صلح انجام پا چکیں تو بنی خزاعہ نے اپنے تئیں مسلمانوں کا طرفدار ظاہر کر دیا اور بنی بکر نے قریش کے ساتھ ہونیکا اقرار کیا اسطرح اگر مسلمان بنو بکر پر حملہ کرتے تو گویا وہ حملہ قریش پر تھا اور اگر اسی طرح قریش بنی خزاعہ کو کوئی تکلیف دیتے تو یہ سمجھا جانا چاہیئے تھا کہ وہ تکلیف مسلمانوں کو دیگئی ہے بنو بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان ایک پرانا جھگڑا چلا آتا تھا جو مسلمانوں کے ساتھ عام جنگ چھڑ جانیکے باعث کچھ عرصے سے دب گیا تھا لیکن اب دس سال کیلیئے صلح ہو گئی تھی یعنے صلح حدیبیہ کے بعد ان قبائل کو چونکہ مسلمانوں کی طرف سے مہلت تھی اسلیئے انکو اپنی ذاتی رنجشوں کے نکالنے کا دوبارہ موقعہ ملگیا۔ اور معاہدہ مذکورہ کے دو سال بعد بنی بکر نے جو قریش کے مددگار تھے نوفل بن معاویہ کی سرکردگی سے بنو خزاعہ پر جو مسلمانوں کے طرفدار تھے شبخون مارا اس چھاپہ کے وقت بنو خزاعہ وتیر نام چشمہ کے قریب بیخوف وخطر سوئے پڑے تھے جب انکو معلوم ہوا کہ بنی بکر اس نالائق حرکت کے مرتکب ہوئے ہیں تو انہوں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور ایک خونریز معرکہ شروع ہوا جس میں بنو بکر نے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ اور ہٹتے ہٹتے پہلے تو نواح حرم تک آگئے اور پھر شہر مکہ میں داخل ہو گئے۔ قریش نے ابتداءً تو اپنے مددگاروں کی اعانت اسلحہ جنگ سے کی۔ لیکن جب اندھیرا ہوا تو خود بھی لڑائی میں شریک ہو گئے۔ جب دشمن کو شہر کے اندر سے اسطرح کمک پہنچ گئی تو آنحضرت صلعم کے مددگار قبیلہ بنی خزاعہ نے اپنے تئیں بے بس پا کر مکہ کے دو شخصوں کے ہاں پناہ لی جو کہ اُنسے دوستانہ تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ بنی خزاعہ نے اسطرح پناہ لیلی تاہم اُنکے بہت سے آدمی بنی بکر اور قریش کے ہاتھ سے قتل ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو خزاعہ کے باقی ماندہ آدمی مکہ سے بھاگ نکلے اور انمیں سے ایک شخص مسمی عمرو بن سالم مدینہ کی طرف دوڑا تاکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عہد شکنی کی اطلاع دے اور آپ سے درخواست کرے کہ ان دغاباز قاتلوں سے بدلہ لیا جائے۔ جب عمرو بن سالم خزاعی مدینہ پہنچا تو اُس نے ذیل کے پُردرد الفاظ میں بنو خزاعہ کے قتل کا حال بیان کیا اور التجا کی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں سے بدلہ لینے میں بنو خزاعہ کی امداد کریں۔

یا رب انی ناشد محمدا ۔ حلف ابینا و ابیہ الاتلدا ۔ ان قریشا اخلفوک الموعدا ۔ ونقضوا میثاقک المؤکدا
وزعموا ان لست تدعو احدا ۔ فانصر ھداک اللہ نصرا ابدا ۔ وادع عباد اللہ یاتوا مددا ۔ فیھم رسول اللہ قد تجردا

ان سیم خسفًا وجھہ تربًّا۔ ھم بیّتونا بالوتیر ھُجّدًا؛ وقتلونا رکعًا وّ سجّدًا۔ وزعموا ان لست ادعو احدًا

ترجمہ۔ اے میرے خدا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قسم دیتا ہوں؛ قسم اپنے اجداد اور اُسکے آبائے قدیم کی؛ ہر آئینہ قریش نے تجھ سے وعدہ خلافی کی؛ اور اُن لوگوں نے تیرے مضبوط وعدے کو توڑ دیا؛ اور انہوں نے گمان کیا کہ تو کسی کو نہیں پکارتا ہے؛ تو مدد کر۔ اللہ تجھے ہمیشہ کی نصرۃ کی راہ دکھا دے؛ خلق خدا کو پکار۔ وہ لوگ برابر بڑھتے آئیں گے؛ ان لوگوں میں اللہ کا رسول تنہا ہوگیا ہے؛ اگر زمین کے دھس جانیسے وہ لوگ مغلوب ہوئے تو ان کا چہرہ متغیر ہوا؛ انہوں نے ہم لوگوں پر سوتے ہوئے مقام وتیر پر شبخون مارا؛ اور ہمکو سجدوں اور رکوعوں میں قتل کیا؛ اور انہوں نے گمان کیا کہ ہم کسی کو نہیں مانتے ہیں؛

یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نُصِرتَ یا عمرو بن سالم یعنی "تمکو مدد دیجائیگی"۔ لیکن پیشتر اسکے کہ کوئی کارروائی کیجاتی آپنے قریش کے پاس اپنا ایک سفیر ضمرہ نام روانہ کیا اور تین شرطیں پیش کیں اوّل یہ بنو خزاعہ کے جسقدر آدمی مقتول ہوئے ہیں اُنکا خونبہا ادا کریں دوم یہ کہ اگر خونبہا نہ دے سکیں تو بنو بکر کی حمایت چھوڑ دیں سوم یہ کہ اگر دونوں باتیں منظور نہ ہوں تو عہدنامہ حدیبیہ کو فسخ کردیں۔ اس پیغام کا جو جواب قریش نے دیا وہ یہ تھا کہ "ہم نہ خونبہا ادا کرینگے اور نہ ہی بنو بکر کی حمایت سے دست بردار ہونگے بلکہ ہم حدیبیہ کی صلح کے عہد کو فسخ کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب صفحہ ۲۹۴ و ۱ الہ سیرۃ نبویہ)

سر ولیم میور صاحب قریش کی اس عہد شکنی کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ویل (نام مصنف) کے خیال میں یہ ظلم شکست موتہ کا نتیجہ تھا جس سے اسلام کے دشمن دلیر ہوگئے تھے بلا دزوری کچھ اور بھی اسی قسم کی مثالیں پیش کرتا ہے جن سے پایا جاتا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں بھی دیگئی تھیں اور آپکے دشمنوں کو اُکسایا گیا تھا۔"

اگرچہ جنگ موتہ کے نتیجہ کو شکست سے تعبیر کرنا ایک بڑی غلطی ہے تاہم اس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی کلام نہیں ہوسکتا کہ عیسائی حکومت کو مسلمانوں کے علانیہ خلاف دیکھکر قریش بہت خوش ہوئے تھے اور اُنکی مسرت کا اب بھی وہی رنگ تھا جو ایک سال قبل دربار ایران کے سفیروں کی آمد پر تھا جنکو حاکم یمن نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم دیکر بھیجا تھا ایک طرف تو رومی سلطنت کو مسلمانوں کے برخلاف تُلا ہوا دیکھکر اُنکا حوصلہ بڑھ گیا تھا دوسری طرف اُنکا زعم تھا کہ موتہ کی لڑائی کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوگئی ہوگی غالبًا یہی وجہ تھی کہ حدیبیہ کے عہد کی کچھ پروا نہ کرکے وہ خزاعہ کے قتل میں بنی بکر کے ساتھ شامل ہوئے

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

مدرسہ احمدیہ:۔ مدرسہ احمدیہ کی نئی سکیم پر گو پورا سال نہ گذرا تھا مگر سالانہ امتحان ہو کر جماعتوں کو ترقی مل چکی ہے۔ اور علاوہ ماہوار کے وظائف مقابلہ یکم جنوری ۱۹۱۰ء سے مجلس معتمدین نے گذشتہ اجلاس میں منظور کئے ہیں۔ وظائف مقابلہ کے علاوہ قریباً پچاس روپے ماہوار کے وظائف مد مساکین سے مدرسہ احمدیہ کے طلباء کو دیئے جاتے ہیں اور ان ہر دو مدات کی گنجایش ختم ہونے پر جو نئے طلباء آتے ہیں انکے لیئے کوئی اور صورت سوچنی پڑتی ہے۔ خود مدرسہ کا خرچ ایک جماعت کے بڑھ جانے سے سال گذشتہ کی نسبت بڑھ گیا ہے مگر اخراجات کی اس روز افزوں اور نہایت ضروری ترقی کے ساتھ آمدنی میں ترقی نہیں ہوئی۔ مدرسہ احمدیہ کی ضرورت کو ساری قوم نے محسوس کیا اور بڑے زور کے ساتھ محسوس کیا اور در حقیقت یہ ایسی ضرورت تھی کہ احمدی قوم اسکو زور سے محسوس کرتی مگر ضرورت کو محسوس کرنا کافی نہیں جبتک اسکے پورا کرنیکے سامانوں کیلیئے پوری قوت خرچ نہ کیجاوے اس مدرسہ کے لیئے خود خرچ دیکر تعلیم حاصل کرنیوالے طالب علم حالات موجودہ میں بہت کم ملتے ہیں پس اس مدرسہ کے قیام کیلیئے نہ صرف ان معمولی اخراجات کا پورا کرنا ہی ضروری ہے جیسے عملہ معلمین کی تنخواہیں یا کتب وسامان متعلقہ۔ یا مکان۔ بلکہ ان معمولی اخراجات کے علاوہ ایک بڑا بھاری خرچ وظائف کا ہوگا جو ہماری بھائیوں کو برداشت کرنا ہوگا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ اسے جوش سے برداشت کرینگے۔ جسقدر پہلے کاموں کیلیئے چندے کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی اتنی گنجایش نہیں کہ مدرسہ احمدیہ کے اخراجات وہاں ڈال دیئے جاویں پس اسکے لیئے ہر مقام کی انجمن کیلیئے اور ہر ایک جگہ ہماری احمدی احباب کے لیئے اسی طرح چندہ دینا ضروری ہو گیا ہے جسطرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد سے لنگر خانہ۔ مدرسہ۔ اور اشاعت کے چندے دیئے جاتے ہیں۔ پس دوستوں کی خدمت میں اور انجمنہائے احمدیہ کے سکرٹری صاحبان کی خدمتمیں جہاں کہیں وہ ہوں میری یہ التماس ہے کہ بہت جلد اس طرف توجہ فرمائیں اور مدرسہ احمدیہ کے چندے کو مستقل چندوں میں شامل کرکے اسکی اخراجات کو پورا کرنیکا فکر کریں اب تک بہت ہی کم انجمنوں اور بہت ہی کم احمدی احباب نے اس طرف توجہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے دو مخدوم اور

مکرم لاہوری احباب کو جنہوں نے اپنی آمد نیو کا ایک بڑا حصہ اس مدرسہ کے لیئے علیحدہ کر دیا۔ لیکن اب ضرورت ہے کہ مخدومی شیخ رحمت اللہ صاحب اور مکرمی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے اس قابل تقلید نمونہ کی دوسرے احباب بھی پیروی کریں تاکہ یہ کام بلا رکاوٹ جاری رہے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول میں طلباء کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے دن بدن ترقی پر ہے۔ بہت سے احباب مدرسہ اور بورڈنگ ہوس کی ہر طرح سے قابل اطمینان حالت کو اور قادیان کی رہایش کے فواید کو دیکھکر اپنے جگر گوشوں کو یہاں بھیج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا احسان ہے کہ مدرسہ کے طلباء کی حالت نہ صرف اخلاقی اور تعلیمی پہلو سے ہی دل خوش کن ہے بلکہ جسمانی ورزش کی لحاظ سے بھی جو ایسی پرائیویٹ انسٹی ٹیوشنوں میں بے توجہی کی حالت میں رہا کرتی ہے ہمارا مدرسہ ضلع میں خاص شہرت رکھتا ہے چنانچہ گذشتہ ٹورنیمنٹ کے موقعہ پر کل انعامات میں سے قریب نصف کو صرف تعلیم الاسلام ہائی سکول نے حاصل کیئے۔ حالانکہ ضلع میں دو سرکاری اور دو مشنریوں کے اعلیٰ درجہ کے ہائی سکول ہیں۔ بچوں کی جسمانی ورزش کی طرف ماسٹر عبد الرحیم صاحب خاص توجہ رکھنے کے باعث خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔ جزاہ اللہ

واعظین۔ شیخ غلام احمد صاحب گذشتہ ماہ کے اختتام پر اطلاع دیتے ہیں کہ ضلع لائلپور کا دورہ ختم کر کے وہ ملتان کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ اور بعد کے آئے ہوئے خطوط سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے ملتان میں کئی موقعوں پر مؤثر وعظ کیئے۔ کسی کے کلام میں اثر ڈالنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب کو بہت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا وے اور خانصاحب نواب محمد علی خان صاحب کو بھی جزائے خیر دے جو اُنکے اخراجات کے متکفل ہیں۔ مگر اپنے احباب کی اطلاع کیلیئے میں اسقدر اور زیادہ لکھنا چاہتا ہوں کہ شیخ صاحب کو انجمن کی طرف سے یہ بھی ہدایت کیگئی تھی کہ وہ ہر جگہ چندوں کی وصولی اور انجمنوں کے قیام کی طرف توجہ کریں۔ بہت سا حصہ جماعت کا ابتک ایسا ہے جو باقاعدہ طور پر ساری چندوں میں شامل نہیں ہوتا اور اسوجہ سے مالی تکالیف بھی پیش آتی رہتی ہیں۔ بعض مدات جیسے لنگر خانہ روز بروز زیادہ مقروض ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بعض کے اخراجات کی پورا ہونیکا فکر ہر وقت انجمن کو دامنگیر ہے۔ ان مشکلات کا پورا انتظام تو اس صورت میں ہی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک ضلع میں یا دو دو تین تین ضلعوں میں ایک ایک محصل مقرر کیا جاوے جو وعظ اور تبلیغ بھی کرے

گوشوارہ آمد و خرچ خزانہ صدر انجمن احمدیہ بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

تعلیم

فیس مدرسہ	فیس بورڈنگ	عیدفنڈ	چندہ مدرسہ	متفرق	میزان	بقایا	کل میزان	عملہ	سائر و سامان	شفاخانہ	کرایہ	سامان ورزش	کل خرچ	باقی
۸ر ۹ پائی	۴ر		۱۵ر ۹ پائی	۱۱ر	۷ر ۶ پائی	۵ر ۹ پائی	۱۳ر ۳ پائی	۱۳ر ۶ پائی	۳ر ۹ پائی				۱ر ۳ پائی	۱۲ر

اشاعت اسلام

اعانت	اردو	انگریزی	ضمیمہ	بک ڈپو	متفرق	میزان	بقایا	کل	عملہ	طبع	سائر	ٹکٹ	لائبریری	متفرق	میزان	باقی
۱۵ر ۶ پائی	۱۳ر	۸ر	۱۲ر	۹ر ۹ پائی	۱۲ر	۱۳ر ۳ پائی	۵ر	۲ر ۳ پائی	۷ر ۳ پائی	۱ر ۳ پائی	۱۵ر ۳ پائی		۱۲ر	۱۲ر	۱۵ر ۹ پائی	۲ر ۶ پائی

جائداد

تعمیر بورڈنگ	کرایہ	محصل اراضی	باغیچہ	سٹور	مساجد	شرط اول	متفرق	کل میزان	بقایا	انتظام جائداد	تعمیر	باغیچہ	درختان اراضی مدرسہ	متفرق	کل	باقی
۷ر ۹ پائی	۴ر		۸ر		۱۲ر			۱۵ر ۹ پائی	۳ر ?[illegible]	۶ر ۹ پائی		۱۰ر	۱۰ر		۹ر ?[illegible]	۵ر ۳ پائی

مقبرہ بہشتی

حصہ دہم	وصایا	کل	بقایا	کل میزان	دفتر مقبرہ	مساجد	تبلیغ	سفر خرچ	کل	باقی
۳ر		۳ر	۱ر ۳ پائی	۳ر ۳ پائی	۴ر	۱۴ر		۴ر	۶ر	۱۲ر ۴ پائی

متفرقات

آمد	بقایا	کل	خرچ	باقی
۱۰ر	۱۴ر ۶ پائی	۸ر ۹ پائی	۴ر	۴ر ۶ پائی

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی - حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپکی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد میں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں اس لیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عا/ قسم دوم عہ/ قسم سوم عہ/ - فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عنہ جسکو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں - قسم دوم سے لے / اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو -

المشتھر :- احمد نور - کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

سفرنامہ ناصر

حضرت میر ناصر نواب صاحب نے جو گذشتہ گرمیوں میں محض للہ ایک لمبا سفر سرحد تک کیا تھا اور بہت سے مقامات سے مسجد - ہسپتال - اور دور ضعفا کیلئے چندہ جمع کیا تھا اُس سفر کی کیفیت کو ایک نظم کی صورت میں شائع کیا ہے اور اپنے دورہ کا مفصل حال دلچسپ پیرایہ میں ادا کیا ہے اور ہر جگہ کے احمدیوں کا ذکر کیا ہے رسالہ ۳۶ صفحہ کا ہے اور اس رسالہ کی آمدنی بھی چندہ میں ہی داخل کیجائیگی - اسلیئے اسکا خریدنا ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہے - سفرنامہ حضرت میر صاحب یا دفتر بدر قادیان سے ۲/ پر ملتا ہے -

---

تلاش عزیز :- سید فضل شاہ ولد سید باقر علی شاہ ساکن بھنبھلہ ڈاکخانہ بھاگ نگر ضلع گجرات عمر ۱۳ سال درمیانہ قد قرآن شریف خواندہ قوی جسم خوش رو سرخ و سفید رنگ تیز زبان اس حلیہ کا لڑکا کسی بھائی کو ملے تو اطلاع دیکر ممنون فرماویں -

اطلاع - براہین احمدیہ مکمل چار جلد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی لاجواب - بے نظیر - پر معارف تصنیف جسکا حجم قریب ۶۰۰ صفحہ کے ہی تقطیع کلاں اب صرف عہ میں مینیجر بک ڈپو صدر انجمن احمدیہ قادیان سے مل سکتی ہے - اور حصہ پنجم میر مہدی حسین صاحب مہتمم کتب خانہ حضرت اقدس علیہ السلام سے - (مینیجر)

خریداروں کو اطلاع :- ہر ایک قسم کی خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں اگر دیر ہو جائے تو معذور سمجھیں - (مینیجر)